حسن معاشرت سے انحراف کی وجوہات اور تدارک

(صحیحین کی کتاب الادب کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ نگار

کلیم اللہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

اپریل، 2022ء

حسن معاشرت سے انحراف کی وجوہات اور تدارک

(صحیحین کی کتاب الادب کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ نگار

کلیم اللہ

ایم اے (پنجاب یونیورسٹی) لاہور، ۲۰۱۹ء

یہ مقالہ ایم فل علومِ اسلامیہ کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا ہے۔

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

© کلیم اللہ، 2022ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد **فیکلٹی آف سوشل سائنسز**

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالہ کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **حسن معاشرت سے انحراف کی وجوہات اور تدارک**

(صحیحین کی کتاب الادب کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

Reasons behind non-compliance with social values and their redressal
(Analytical study in the context of Saheehain's Kitaab ul Adaab)

نام ڈگری: ایم فل علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: کلیم اللہ رجسٹریشن نمبر: MPhil/IS /F18-1640

ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی
(نگران مقالہ) ____________________ دستخط نگران مقالہ

ڈاکٹر نور حیات خان
(صدر، شعبہ علوم اسلامیہ) ____________________ دستخط صدر شعبہ

پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ____________________ دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

بریگیڈیر سید نادر علی
(ڈائریکٹر جنرل، نمل) ____________________ دستخط ڈائریکٹر جنرل، نمل

تاریخ: ____________________

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں کلیم اللہ ولد: سعید احمد

رول نمبر: MP-F18-IS-411 رجسٹریشن نمبر: MPhil/IS /F18-1640

طالب علم ایم فل علوم اسلامیہ، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ بعنوان: **حسن معاشرت سے انحراف کی وجوہات اور تدارک**

(صحیحین کی کتاب الادب کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

Husn e Muasharat Say Inhiraaf ki wujohat aur tadaruk

(Saheehain ki Kitaab ul Adaab ki roshni may Tajzeyati Mutalah)

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کرادیا گیا، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: کلیم اللہ

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

(Abstract)ملخص مقالہ

<u>Reasons behind non-compliance with social values and their redressal</u>
<u>(Analytical study in the context of Saheehain's Kitaab ul Adaab)</u>

Interaction creates a society. All human beings in a society are dependent on each other. The reason for this is that human rights are intertwined in the case of proper payment of these rights, the memories of man remain.

The research has been compiled in the light of two books of hadith,

(Sahih Al-Bukhari and Sahih Muslim's Kitab Al-Adab).The hadith which are related to good manners have been collected from these books. And by making different chapters, the relevant hadiths have been mentioned under these chapters. Some hadith mention deviations from various aspects of good manners, while some point out the reasons for these deviations.

Similarly, in some hadith, it is encouraged to adopt good manners by bringing good qualities. If we try to adopt these virtues, we can avoid the disadvantages of deviating from society. The reasons and characteristics mentioned in the hadiths are related to the present situation.

In the light of the famous *Shuroohaat* of Sahih Al-Bukhari and Sahih Muslim, the possible ways to avoid all these defects have been highlighted.

Qualitative and descriptive method has been applied in this research. After literature review this research that there are effects of good manners on human society including obedience to Allah and His Messenger, unity of human race, unity of thoughts, establishment of peace, justice, equality and dignity of Human is involved. Due to their negligence, the society lacks good manners.

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1.	منظوری فارم برائے مقالہ(Thesis acceptance form)	Iv
2.	حلف نامہ فارم(Declaration)	V
3.	ملخص مقالہ(Abstract)	Vi
4.	فہرست عنوانات(Table of contents)	Vii
5.	اظہار تشکر(A word of thanks)	IX
6.	انتساب(Dedication)	X
7.	مقدمہ	XI
8.	**باب اول: حسن معاشرت، تعارف، اسلامی تعلیمات اور دائرہ کار**	17
9.	فصل اول: حسن معاشرت کا معنی اور مفہوم	18
10.	فصل دوم: حسن معاشرت کا دائرہ کار	26
11.	فصل سوم: حسن معاشرت کے اثرات	41
12.	**باب دوم: کتاب الادب کی روشنی میں انفرادی اخلاقیات اور حسن معاشرت**	48
13.	فصل اول: اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے تعلق اور حسن معاشرت	49
14.	فصل دوم: انفرادی اخلاق حمیدہ اور حسن معاشرت	55
15.	فصل سوم: انفرادی اخلاق رذیلہ اور تدارک	87
16.	**باب سوم: بچوں، والدین اور پڑوسیوں سے حسن معاشرت اور انحراف کی وجوہات**	108
17.	فصل اول: بچوں اور ماتحتوں کے ساتھ حسن معاشرت سے انحراف اور حل	109
18.	فصل دوم: والدین سے حسن معاشرت میں انحراف کی وجوہات اور حل	120
19.	فصل سوم: پڑوسیوں کے ساتھ حسن معاشرت سے انحراف کی وجوہات اور حل	126
20.	**باب چہارم: صلہ رحمی، رفاہ عامہ اور غیر مسلموں سے حسن معاشرت سے انحراف**	132

	اور وجوہات	
.21	فصل اول: صلہ رحمی سے انحراف کی وجوہات اور حل	133
.22	فصل دوم: رفاہ عامہ سے انحراف کی وجوہات اور حل	140
.23	فصل سوم: غیر مسلموں سے حسن معاشرت سے انحراف کی وجوہات اور حل	146
.24	خلاصہ بحث	151
.25	نتائج	154
.26	سفارشات	155
.27	فہرست آیات	157
.28	فہرست احادیث	160
.29	فہرست اصطلاحات	168
.30	فہرست اعلام	169
.31	فہرست اماکن	170
.32	مصادر و مراجع	171

اظہار تشکر (A Word of Thanks)

سب سے پہلے اللہ رب العزت کا شکر گزار ہوں جس کی توفیق سے سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت کے ایک پہلو پر چند الفاظ لکھنے کے قابل ہوا۔

میرے شکریے کے سب سے زیادہ مستحق مقالے کے نگران استاد محترم ڈاکٹر سید محمد شاہد ترمذی صاحب ہیں۔ آپ ایک محقق اور قابل استاد ہونے کے ساتھ ساتھ تحقیق میں معاون اور مجھ جیسے طالب علم کے شفیق ہیں جنہوں نے ہر مشکل گھڑی میں لڑکھڑاتے قدموں کو سہارا دیا اور مکمل رہنمائی کی۔ میری بہت خوش قسمتی ہے کہ مجھے ان جیسے استاد کی رہنمائی میسر رہی۔ اور نمل یونیورسٹی کے میرے قابل قدر و قابل عزت اساتذہ کرام جنہوں نے اس مقالہ کی تکمیل میں میری بہترین رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی۔

میں الندوہ لائبیریری کے صدر جناب مفتی سعید خان صاحب، ناظم جناب ندیم اقبال صاحب، اور دیگر لائیبریری عملہ کا ممنون ہوں کہ انہوں نے کتب کی فراہمی میں حتی الامکان مدد کی اللہ پاک ان کی کاوشش کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے۔ کتب کی فراہمی میں الندوہ لائبیریری، سینٹرل لائیبریری، ڈاکٹر حمید اللہ لائیبریری بالخصوص نیشنل یونیورسٹی اف ماڈرن لینگو یجز کے سٹاف کا بے حد مشکور ہوں جنہوں نے مطلوبہ کتب کو بآسانی فراہم کیا۔

آخر میں اپنے بہن بھائیوں کا مشکور ہوں جو ہمہ وقت جانی اور مالی قربانی کے لیے تیار رہے اور مشکلات میں لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کو سہارا دیا اور اللہ رب العزت کی مدد سے علوم اسلامیہ کے حصول کے لیے تیار کیا۔

فجزاهم الله احسن الجزاء

کلیم اللہ

ایم فل علوم اسلامیہ

انتساب

والد محترم کے نام

(جنہوں نے اپنی آرزوں کو قربان کر کے مجھے اس لائق بنایا)

والدہ مرحومہ کے نام

(جو زندہ تھیں تو میں بھی زندہ تھا)

مقدمہ

موضوع تحقیق کا تعارف:(introduction to the topic)

معاشرہ افراد کی ایک جماعت کو کہا جاتا ہے جن کی ضروریات زندگی میں ایک دوسرے سے مشترکہ روابط موجود ہوں۔ فرد معاشرے کا بنیادی رکن ہے۔ مختلف افراد مل کر ایک معاشرہ تشکیل دیتے ہیں اور وہ معاشرہ اس کی پہچان بن جاتا ہے۔ اسلام نے معاشرے کیلئے اصول وضع کیے ہیں ان اصولوں کی پاسداری ایک بہترین معاشرے کی تشکیل کا سبب بنتی ہے، جبکہ ان اصول کی خلاف ورزی معاشرے میں بگاڑ اور گراوٹ کا بسبب بنتی ہے۔

لفظ معاشرہ کا اطلاق کسی ایک مذہب یا قوم کے لوگوں پر نہیں ہوتا بلکہ کسی بھی علاقے میں رہنے والے افراد کا تعلق اگرچہ ان کا تعلق مختلف مذاہب اور اقوام سے ہو، اکٹھا رہنا بھی ایک معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ کسی بھی انسانی معاشرے کے لئے ضروری اور بنیادی امر یہ ہے کہ اس کے فرد کو مساوی انسان کا درجہ حاصل ہو، کمزور کو بھی وہی حقوق ملیں جو ایک طاقتور کو ملتے ہیں۔ کسی بھی کمزوری کی بناپر معاشرہ کے افراد کے درمیان امتیازی سلوک معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔

انسان اپنی طبیعت، ماحول اور اپنی خواہشات کی وجہ سے معاشرتی تشکیل کے لئے مجبور ہوا اور اسلامی نقطہ نظر سے فطری منصوبہ کے مطابق انسان نے اجتماعیت اختیار کی۔ انسان چونکہ مدنی الطبع ہے اور اس میں مل جل کر زندگی بسر کرنے کا فطری رجحان ہے اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے وہ دوسروں کا محتاج ہے۔

آج انسان مادی طور پر بہت ترقی یافتہ ہو گیا ہر قسم کی پر سکون اور آسائش کی زندگی گزار رہا ہے، لیکن اس طرح کی کوشش میں وہ مادہ پرست بن گیا۔ دین سے دور ہو گیا اور دین بیزار ہو گیا۔ اپنی حقیقت کو بھول گیا دین اسلام سے تعلق کمزور ہو گیا۔ ہر قسم کی آسائش کے ہوتے ہوئے مسلمان پستی کی طرف چلا گیا، جو حیثیت سو سال پہلے مسلمان کو دی جاتی تھی وہ حیثیت نہیں دی جارہی۔ باطن کا یہ عالم ہے کہ بے سکونی اور پریشانی پیچھا نہیں چھوڑ رہی، اور ظاہری طور پر مسلمانوں نے اپنے عادات واطوار ترک کر دیے تو باطنی بے سکونی نے ان کو گھیر لیا اور ظاہری و باطنی نقصان میں مبتلا ہو گیا۔

جب بے سکونی اور بے چینی بڑھتی ہے تو انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ سکون کی طرف آنا چاہتا ہے تو اس صورت حال میں ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم مسلمانوں کو کامل اور مکمل نظام حیات دیں۔

اسلامی معاشرہ کا قیام اعلان نبوت کے ساتھ ہی ہو گیا تھا لیکن اس کی عملی تصویر رسول کریم ﷺ کے مدینہ کے قیام کے بعد نظر آتی ہے۔ اسلام دین فطرت ہے اور اس نے انسان کو اجتماعی شعور دیا ہے۔ اسلام رنگ، نسل اور

زبان جیسے اختلاف کی بنیادوں کو غیر فطری قرار دیتا ہے۔انسان کی پہلی اجتماعی اکائی اس کا خاندان ہے اس میں میاں بیوی، والدین اور اولاد شامل ہیں اس کے علاوہ رشتہ دار ہمسائے اور پھر عام انسانی برادری انسانی معاشرہ میں شامل ہے۔

ضرورت واہمیت (Significance of Study)

اسلام ایک دین فطرت ہے اور یہ زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے چاہے وہ سیاست، تجارت، معاشرت یا مساوات ہو، اسی فطری دین ہونے کی وجہ سے اس نے انسان کے اجتماعی شعور کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔عام انسانوں کے میل جول اور اجتماعیت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اجتماعیت کو تقویت دینے میں معاونت اور مدد بھی کرتا ہے اور اس کو فطری اصول دیتا ہے۔اس کے لئے اچھی بنیاد فراہم کرتا ہے اور ایسے عوامل کو ختم کرنے کا درس دیتا ہے جو اسے ختم کرنے یا اس میں بگاڑ پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

اسلام انفرادیت کو ختم کرکے اجتماعی زندگی کی کوشش کی دعوت دیتا ہے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔اس کے لیے قوانین فراہم کرتا ہے اور مفید اور غیر مفید اجتماعات میں تمیز کرکے اس کے لیے حدود و قیود کا تعین کرتا ہے۔

معاشرت انسان کی فطری ضرورت ہے۔خالق نے انسان کو محض فرد کی حیثیت سے پیدا نہیں کیا بلکہ اجتماعی زندگی کے لیے پیدا کیا۔انسان اپنے عمل کا انفرادی طور پر ذمہ دار ہے لیکن اللہ نے انسان کو خاندان کا ایک فرد بنایا، قبائلی زندگی کا شعور بخشا، بستیاں بنانے اور تمدن تخلیق کرنے کا سلیقہ بتایا، یہ سب کچھ ربانی مہربانی کی وجہ سے ہے جو کہ اجتماعیت پر زور دیتا ہے۔

اجتماعیت کی تشکیل، قوموں کا وجود، معاشروں اور سلطنتوں کی تنظیم انسان کے اسی فطری شعور کا حصہ ہے جو اللہ نے اسے بخشا ہے۔انسان کی تمنائیں اور آرزوئیں اس کی شخصیت کا اہم پہلو ہے اور اجتماعی زندگی اس کی فطرت کی آواز ہے اللہ تعالی نے کچھ اصول بتائے اور طریقے سکھائے اور انسان نے اتباع اور انحراف کے مطابق اپنے لئے راہیں متعین کیں۔قرآن کریم نے رشتوں، جماعتوں کے تشخص کو حکم خداوندی کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ارادہ اور مشیت کے مطابق انسان خاندان کے ادارے کی تنظیم کرے اور گروہوں کی شکل دیتے ہوئے ایک معاشرہ قائم کرے۔اس کے ساتھ ساتھ حکم الہی کے تحت معاشرہ کے معاشرتی مقاصد کی تکمیل، انسانی صلاحیتوں کا اس میں استعمال، خدمت کا جذبہ اور ضروریات زندگی کی تکمیل اور قیام امن بنیادیں ہیں جن کی اہمیت وافادیت تسلیم شدہ ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

منہج تحقیق(Research Method)

- مقالہ ہذا میں تجزیاتی منہج تحقیق اپنایا گیا ہے۔
- یونیورسٹی کا طے شدہ فارمیٹ مد نظر رکھا گیا ہے۔

- مقالہ کی تکمیل کے لیے بنیادی مصادر کا استعمال کیا گیا ہے تاہم بوقت ضرورت ثانوی مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
- مقالہ ہذا کی تکمیل کے لیے مختلف ویب سائیٹس، محدث ڈاٹ کام، مکتبہ وقفیہ، مکتبہ نور، مکتبہ شاملہ مکتبہ جبریل، وکی پیڈیا وغیرہ سے مدد لی گئی ہے۔

مقاصد تحقیق(Objective of the study)

- حسن معاشرت کے نبوی اصولوں کے مطابق معاشرتی رویوں کا جائزہ لینا
- حسن معاشرت سے متعلق بنیادی اسلامی تعلیمات سے انحراف کی وجوہات بیان کرنا۔
- صحیحین کی کتاب الادب کے تناظر میں معاشرتی خرابیوں کا تدارک پیش کرنا۔

سوالات تحقیق (research questions)

- حسن معاشرت سے کیا مراد ہے؟اس کا دائرہ کار کیا ہے؟
- صحیحین کی کتاب الادب کی روشنی میں بیان کردہ نبوی تعلیمات سے عہد حاضر میں کس طرح استفادہ ممکن ہے؟
- حسن معاشرت سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر کس طرح کے اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

بیان مسئلہ (Statement of the problem)

موضوع تحقیق کا بنیادی مسئلہ حسن معاشرت سے دوری کی وجوہات صحیحین کی روشنی میں بیان کرنا اور ان وجوہات کے ممکنہ تدارک کو شروحاتِ صحیحین کی روشنی میں بیان کرنا۔

موضوع تحقیق سے متعلق سابقہ کام کا جائزہ:(literature review)

مقالہ جات:

- عہد نبوی میں صحابیات کی معاشرتی سرگرمیاں، مقالہ نگار: روبینہ صفدر، نگران مقالہ: ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

مقالہ ہذا میں اسلام سے قبل عورتوں کا معاشرتی کردار، اسی طرح اسلام کے عورتوں کے رویہ عورتوں کے کردار کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور عہد نبوی میں صحابیات کے معاشرتی کردار کے بارے میں بات کی گئی ہے اس کے علاوہ عورت کی معاشی حیثیت، اجتماعی عبادات میں صحابیات کی شرکت، خواتین اور حصول علم، سماجی اور معاشرتی تقریبات میں صحابیات کی شرکت، گھریلو تقریبات، گھریلو مشاغل وغیرہ کے بارے میں بحث کی گئی ہے

- معاشرتی رویوں کی تشکیل میں دینی مدارس کے نظام تعلیم کا کردار، مقالہ نگار: محمد اقبال خان، بہاؤالدین زکریایونیورسٹی

مقالہ ہذا میں دینی مدارس کے معاشرتی رویوں کی تشکیل کے بارے میں بات کی گئی ہے ، معاشرتی رویوں کو پروان چڑھانے میں دینی مدارس کا کردار کیا ہے اساتذہ کیا کروار ادا کر رہے ہیں ، اس میں طلبا کا کردار کیا ہے اور اس کردار کی وجہ سے معاشرے میں کیا بہتری آئی ہے مقالہ ہذا میں اس معاملے کو بہت عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔

- مسلم معاشرے پر مغربی تہذیب کے اثرات اور ان کا انسداد، مقالہ نگار، مسرت کریم،ادرار وعلوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی،پنجاب، پاکستان

اس مقالہ میں مسلم معاشرے پر مغربی تہذیب کے اثرات کے بارے میں بات کی گئی ہے مغربی تہذیب کے مسلم معاش، معاشرت، اور سماج پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں ،ان اثرات کا انسداد قرآن وسنت کی روشنی میں مختصر بیان کیا گیا ہے اس کے علاوہ عوام اور حکومت کے لیے تجاویز بیان گئی ہے۔

- رسول اللہ ﷺ کی معاشرتی زندگی مقالہ نگار : بشریٰ تحسین ، شعبہ علوم اسلامی ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، پنجاب، پاکستان

اس مقالے میں آپ ﷺ کی معاشرتی زندگی کے بارے میں بیان کیا گیا ہے آپ ﷺ کا معاشرتی طرز عمل کیا تھا گھریلو معاملات میں ان کا طرز عمل کیا تھا۔

- اسلامی اور ہندو معاشرہ: موازنہ اور تنقیدی جائزہ، مقالہ نگار محمد ارشد، نمل یونیورسٹی اسلام آباد

مقالہ ہذا میں اسلامی اور ہندو معاشرے کا موازنہ کیا گیا ہے اس مقالہ میں ایک تو تنقیدی جائزہ ہے اور دوسرا یہ کہ اسلام کا ہندو مذہب کے ساتھ تقابل اور موازنہ کیا گیا ہے۔

تصانیف

- **اسلامی آداب معاشرت**(مصنف: حافظ صلاح الدین یوسف، ناشر دار السلام لاہور)
- **آداب المعاشرت**(مصنف: مولانا اشرف علی تھانویؒ، مکتبہ دار الفلاح)
- **اسلام کا معاشرتی نظام**(مصنف: ڈاکٹر خالد علوی، الفیصل ناشران وتاجران کتب)
- **اسلام کے معاشرتی آداب سورہ حجرات کی روشنی میں** (مصنف: سید ابوالاعلی مودودی)

آرٹیکلز

- مظاهر الرفق و اثراته في المجتمع الإسلامي(عظمی محمد یونس، عبدالعزیز میمن: جامعہ مہران، جامشورو)

- **اخلاق اور رواداری معاشرے کے قیام میں صوفیا کا کردار** (ڈاکٹر سید باچا آغا: اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ ڈگری کالج سریاب روڈ، کوئٹہ)

اس آرٹیکل میں صوفیا کرام کا معاشرے میں اخلاق اور رواداری کے فروغ میں کردار کو بیان کیا گیا ہے مقالہ ہذا میں معاشرے میں اخلاق اور رواداری کے فروغ کو مطلقا بیان کیا گیا ہے۔

Role and Impacts of Ṣufi Convents (Khanqa'i System) Towards Social Reformation: A Critical Review,

Asim Iqbal, Saiqa Gulnaz: Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad, Pakistan.

Socialization for the knowledge society:

Alexander O. Karpov :Bauman Moscow State, Technical University, Moscow, Russia

تحدید کار (Delimitations of the study)

- اس مقالہ میں پاکستانی معاشرے میں حسن معاشرت سے انحراف کی وجوہات اور صحیحین کی کتاب الادب کے روشنی میں اس کا تدارک اور حل پیش کیا جائے گا۔
- تحقیق کو متعین کرنے اور طوالت سے بچنے کو ملحوظ خاطر رکھ کر احادیث کی شرح اور تجزیہ کیلئے دو متقدمین محدثین امام بدر الدین عینیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جبکہ متاخرین محدثین میں شبیر احمد عثمانیؒ، سعید احمد پالن پوریؒ اور مولانا سلیم اللہ خانؒ کی شروحات کو خاص کیا گیا ہے۔

ابواب و فصول کی تقسیم و ترتیب(Chapterization)

باب اول — **حسن معاشرت، تعارف، اسلامی تعلیمات اور دائرہ کار**

فصل اول — حسن معاشرت کا معنی اور مفہوم

فصل دوم — حسن معاشرت کا دائرہ کار

فصل سوم — حسن معاشرت کے اثرات

باب دوم — **کتاب الادب کی روشنی میں انفرادی اخلاقیات اور حسن معاشرت**

فصل اول — اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق اور حسن معاشرت

فصل دوم — انفرادی اخلاق حمیدہ اور حسن معاشرت

فصل سوم — انفرادی اخلاق رذیلہ اور تدارک

باب سوم — **بچوں، والدین اور پڑوسیوں سے حسن معاشرت اور انحراف کی**

فصل اول — بچوں اور ماتحتوں کے ساتھ حسن معاشرت سے انحراف اور حل

فصل دوم — والدین سے حسن معاشرت میں انحراف کی وجوہات اور حل

فصل سوم — پڑوسیوں کے ساتھ حسن معاشرت سے انحراف کی وجوہات اور حل

باب چہارم — **صلہ رحمی، رفاہ عامہ اور غیر مسلموں سے حسن معاشرت سے انحراف اور وجوہات**

فصل اول — صلہ رحمی سے انحراف کی وجوہات اور حل

فصل دوم — رفاہ عامہ سے انحراف کی وجوہات اور حل

فصل سوم — غیر مسلموں سے حسن معاشرت سے انحراف کی وجوہات اور حل

باب اول

حسن معاشرت، تعارف، اسلامی تعلیمات اور دائرہ کار

فصل اول: حسن معاشرت کا معنی اور مفہوم

فصل دوم: حسن معاشرت کا دائرہ کار

فصل سوم: حسن معاشرت کے اثرات

باب اول

حسن معاشرت، تعارف، اسلامی تعلیمات اور دائرہ کار

فصل اول: معاشرہ کا معنی اور مفہوم

قرآن حکیم کی تعلیمات کے مطابق انسانیت کی ابتداء حضرت آدمؑ سے ہوئی اسی طرح حضرت حوا کو حضرت آدمؑ کے جسم سے پیدا فرمایا، دونوں کچھ مدت کے لیے جنت میں رہے اور اس کے بعد زمین پر اتار دیے گیے۔ دونوں نے دنیاوی زندگی کا آغاز کیا۔ ان کی نسل زمین پر بڑھنی شروع ہوئی اور یہاں سے انسانی معاشرے کی ابتداء ہوئی۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

{يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا} [1]

ترجمہ:

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلائے، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور رشتوں کو بگاڑنے سے بچو۔ بے شک اللہ تم پر نگران ہے"۔ [2]

قرآن کریم میں بیان کردہ انسانی زندگی کی ابتداء سے ملا جلا تصور دیگر الہامی مذاہب کی کتب میں بھی ملتا ہے: پہلے حضرت آدمؑ کو پھر حضرت حواؑ کو بنایا گیا۔

"Adam called his wife's name Eve because she was the mother of all living"[3]

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی بیوی کو حوا کہا کیونکہ وہ تمام انسانیت کی ماں تھیں۔

آگے بڑھ کر خاندان، گروہوں، قبیلوں اور اقوام کے روپ میں سما گیا۔ جب زمین پر رہنے والے سارے

---

[1] النساء: ا

[2] اردو ترجمہ قرآن حکیم، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ

[3] The Bible, The Gideons international, London, 1971,timothy,ch-2,verse,13

انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، تو اس رشتہ انسانیت اور آدمیت کے لحاظ سے سب ایک ہوئے، لیکن زمین کے مختلف حصوں میں آباد ہونے کی وجہ سے ان کے درمیان مختلف برادریاں قرابت داریاں اور حیثیتیں قائم ہو گئیں، چنانچہ وہی اولاد آدم مرد عورت کی شکل میں کہیں شوہر بیوی کی حیثیت میں کہیں ماں باپ کہیں باپ بیٹی، بھائی بہن وغیرہ، اللہ تعالی نے برادریوں کا اختلاف برائے اصلاح کی تاکہ افراد کی شناخت اور تعارف حاصل ہوا گر برادریاں مختلف نہ ہوتیں تو لاکھوں کروڑوں انسانوں میں ہم نام لوگوں کی شناخت مشکل ہو جاتی۔قران کریم اسی عظیم مصلحت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

{يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا} [1]

ترجمہ:

"اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ماں باپ کی اولاد بنایا اور تم کو مختلف شاخوں خاندانوں اور برادریوں میں بانٹا تاکہ تم ایک دوسرے کی شناخت کر سکو۔"

معاشرے کے ارتقاء اور وسعت کے ساتھ ساتھ انسان اپنے اصل اور بنیاد سے دور ہوتا رہا۔ جب تک انسانی معاشرہ اللہ کے نازل کردہ اصول و ضوابط کا پابند رہا وہ خوشحال اور کامیاب رہا اور جب کبھی انسانی معاشرے میں اصول و ضوابط سے روگردانی ہوئی تو معاشرے میں بگاڑ اور فساد نے جنم لیا۔اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام کے پیش کردہ نظام معاشرت میں کمی یا جدید معاشرہ کیلئے کوئی لائحہ عمل نہیں ہے بلکہ اس کا اصل سبب مسلمانوں کی عیش پرستی، تساہل اور قرآنی تعلیمات سے دوری ہے۔ڈاکٹر محمد عبدہ [2] کہتے ہیں۔

"ہمارا دین ہمیں اپنے آباواجداد سے وراثت میں ملا ہے۔ کسی کے مسلمان ہونے کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ اس کا باپ مسلمان ہے"۔ [3]

حقیقی اسلام شعوری ایمان و یقین کا نام ہے جب کہ آج کا مسلمان صرف ظاہری نام و نمود تک رہ گیا ہے۔ مسلمانوں کی اسی حالت کو دیکھ کر غیر مسلم مفکرین اسے اسلام کی ناکامی سے تعبیر کرتے ہیں۔اس صورت حال کے بارے میں جمال الدین افغانی [1] کہتے ہیں:

---

[1] الحجرات:13

[2] محمد عبدہ بن خیر اللہ مصر کے ایک قصبہ شرابین میں پیدا ہوئے۔(1849ء-1905) جامعہ ازہر سے تعلیم حاصل کیا۔متعدد کتب ورسائل تصنیف کیں جن میں تفسیر قرآن، شرح نہج البلاغہ، رسالۃ التوحید وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔مزید تفصیل کے لیے دیکھے محمد عبدہ، عباس محمد الموسرہ المصریہ العامہ، قاہرہ 1962

[3] محمد عبدہ، الاسلام والنصرانیۃ مع العلم المدنیۃ، (بیروت: دار الحداثہ-الطبعۃ الاُولی 1903م)، ص:150

''مسلمانوں کی دگرگوں حالت نے یورپی اقوام اور اسلام کے درمیان گہرے پردے حائل کردیئے ہیں۔اگر ہم یورپ کے آزاد لوگوں کو اپنے دین کی دعوت دینا چاہیں تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم ان کو اس بات پر قائل کریں کہ ہم میں مسلمان ہیں کیونکہ وہ ہمیں قرآن کے آئینہ میں دیکھتے ہیں[2]۔''

معاشرہ کا معنی و مفہوم

علامہ فیروز آبادی[3] کہتے ہیں: معاشرہ عربی لغت میں (ع ش ر) سے ماخوذ ہے۔

"عاشره معاشرة، وتعاشروا ... تخالطوا[4]" جس کا معنی باہم مل جل کر رہنا ہے۔

اسی سے "معشر "کا لفظ ہے۔معشر اس جماعت کو کہتے ہیں جس کے افراد کسی خاص مقصد کے لیے جمع ہوئے ہوں۔جیسے معشر المسلمین اور معشر الجن والانس[5] وغیرہ۔

اسی طرح اس کے لیے مجتمع کا لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے جس کا مطلب جمع ہونے کی جگہ لیکن مجازی طور پر لوگوں کی اس جماعت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو خاص قوانین یا نظام کے پابند ہوتے ہیں جیسے "المجتمع القومی" اور "المجتمع الانسانی"[6] اس سے قومی اور انسانی سے پر افراد کی سوسائٹی مراد ہے۔

معاشرے کے لیے عربی میں جمع کے علاوہ اور الفاظ بھی مستعمل ہیں جیسا کہ ابن خلدون نے ''عمران'' کی اصطلاح استعمال کیا ہے۔آپ نے مقدمہ کے ابتدائی باب میں انسان کے معاشرتی احوال کا ذکر کرتے ہوئے اسے "الفصل في العمران البشری"[7] کا عنوان دیا ہے۔

---

1 محمد جمال الدین بن صفدر (1838ء-1897ء) اسعد آباد، افغانستان میں پیدا ہوئے۔کابل، مصر، ہندوستان سے تعلیم حاصل کی، آپ محمد عبدہ کے شاگردوں میں سے تھے، مصر میں انگریزوں کے خلاف دینی وسیاسی بیداری کی وجہ سے جلاوطن کیے گئے۔ایک رسالہ عروۃ الوثقی شائع کیا۔ترکی کے سلطان عبدالحمید کی دعوت پر وہاں گئے لیکن بعد میں قید کر دیے گئے اور وہی وفات پائی۔(مزید تفصیل کے لیے دیکھیے جمال الدین افغانی، محمد علی الموس المصریہ العامۃ، قاہرہ 1987م)

2 طبارة، عبدالفتاح طبارة، روح الدين من ضيق العلمانية الى سعة الأثمانية، (المركز الثقافي العربي: 2012م) ص: 767

3 الفیروزآبادی، محمد بن یعقوب بن محمد، ابوطاھر، مجدالدین الشیرازی (۷۲۹-۸۱۷) عربی ادب، لغت، تفسیر اور حدیث میں بلند مقام رکھتے تھے آپ کثیر التصانیف ہیں اور لغت میں امام کا درجہ حاصل ہے۔حصول علم کے لیے عراق، مصر، شام، ہند اور روم کا سفر کیا۔(ترجمۃ المولف، مقدمہ: القاموس المحیط)

4 أبو طاھر، مجدالدین الفیروزآبادی، القاموس المحیط، (مکتب تحقیق التراث في مؤسسة الرسالة، بیروت لبنان، طبعة 1426م) 44/1

5 ابن منظور محمد بن مکرم، لسان العرب (دار صادر بیروت الطبعة الأولی، 1408م)-1988م, مادة (ع ش ر)

6 الأزدي، أبو الحسن علي بن الحسن الثنائي، المنجد في اللغة، (القاھرة: عالم الکتب، الطبعة الثانیة، 1988م) ص: 101

7 ابن خلدون، عبدالرحمن ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، (بیروت: دار احیاالتراث العربی۔لبنان 2001م) ص: 24

عمران کا لغوی معنی ''آبادی''[1] ہے اور یہ ''خراب ''یعنی بربادی کی ضد ہے۔
افراد کی جماعت، جمعیت خصوصا ترقی یافتہ سوسائٹی کو کہا جاتا ہے۔

''الحضر خلاف البدوجعل ذلک اسما لشھادة مکان او انسان او غیره''[2]

شہر کی زندگی دیہاتی کی متضاد ہے۔ پھر اس کو اسم قرار دیا گیا کسی انسان یا جگہ کی گواہی کے لیے اشاد باری تعالی ہے۔

{كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ}[3]

(تم پر فرض کر دیا گیا ہے جب تم میں سے کسی کو موت آجائے)

اردو زبان میں معاشرے کے لیے ''سماج، جماعت، سوسائٹی، ماحول، ہیت اجتماعی، تہذیب، تمدن، اجتاعیہ''[4]

معاشرہ عربی زبان کا لفظ ہے اس کا اصل مادہ ''ع ش ر'' ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے کہ کسی کے ساتھ مل کر رہنا اور کسی کا ساتھی بن کر زندگی گزارنا''۔[5]

''معاشرہ، سماج، سوسائٹی، رفاقت، لوگوں کا گروہ جو کسی مشترکہ مقصد کے لیے باہم متحد ہو خصوصا ادبی، سائنسی، سیاسی، مذہبی، فلاحی مقاصد یا شادمانی وغیرہ کے لیے''[6]

''آپس میں مل جل کر زندگی گزارنا کسی کے ہمراہ عیش کرنا''[7]

''ایک ساتھ اجتماعی زندگی گزارنے کے لیے معاشرہ اور تعاشر (اس سے ''عشیرہ'' خاندان کے لیے اور ''معشر'' قبیلہ و گروہ کے لیے) مستعمل رہا ہے''[8]

معاشرے کے لیے انگریزی میں لفظ ''سوسائٹی (socity) استعمال کیا جاتا ہے ۔ جو لاطینی زبان کے لفظ (cocicoud) سے ماخوز۔ سوسائٹی کے لفظی معنی ہیں۔ گروہ، قوم، جماعت مجلس، طرز زندگی۔[9]

اسی طرح آکسفورڈ ڈکشنری میں ہے:

---

1 ایضا:529

2 الأصفهاني، أبوالقاسم الحسين بن محمد، المفردات في غريب القرآن، (دمشق بيروت: دار القلم، الدار الشامية-الطبعة الأولى-1412ھ) ص: 335

3 البقرہ:١٨٠

4 سرہندی، وارث سرہندی، قاموس مترادفات (لاہور: اردو سائنس بورڈ، 1986) ص:1173

5 الأزدي، أبوالحسن علي بن الحسن الثنائي، المنجد في اللغة، ص:507

6 جالی، ڈاکٹر جمیل جالی، قومی انگریزی اردو لغت، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم-1992ء)، ص:860

7 دہلوی، مولوی سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز طبع اول۔2002ء) 368/4

8 مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ، علم (عمرانیات)، دانش گاہ پنجاب، لاہور 1/14، 1997، ص:387

9 سرہندی، وارث سرہندی، علمی اردو لغت (لاہور: علمی کتب خانہ، کبیر سٹریٹ اردو بازار طبع 1990م) 154

"The system or mode of life adopted by a body of individuals for the purpose of harmonious co-existence or for mutual benefits, defence, etc [1]''

زندگی گزارنے کا وہ طریقہ جو کچھ لوگوں نے باہمی تعاون، فائدے اور دفاع وغیرہ کے لیے اختیار کیا ہو۔

دورِ جدید میں معاشرہ کے علم کو سوشیالوی سے موسوم کیا جاتا ہے، سوشیالوجی کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔

"Sociology is the systematic study of human behavior occurring in a social context. Two major influences are acknowledged to affect human social behavior: cultural factors such as values and norms and structural factors such as the economic and political structures of society. Sociologists generally study human behavior in complex rather than small-scale societies.''[2]

ترجمہ:

سوشیالوی انسانی رویوں کا معاشرتی تناظر میں منظم مطالعہ کا نام ہے انسانی معاشرتی زندگی پر دو اہم اثرات مسلمہ ہیں۔ پہلا: ثقافتی عوامل، جیسے اقدار اور معیار۔ دوسرا: ترکیبی عوامل، جیسے معاشرے کے معاشی، سیاک ڈھانچے۔

سوشیالوی میں عام طور پر چھوٹے معاشروں کی بجائے پیچیدہ انسانی طرزِ عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

"A number of persons associated together by some common interest or purpose, united by a common vow, holding the same belief at opinion, following the same trade or profession3"

"کچھ لوگ خاص مقصد یا مشترکہ مفاد کے لیے جن کا یقین یا رائے یا خیالات کاروبار اور پیشہ ایک ہونے پر متحد ہوتے ہوں"

"an enduring and cooperating, social group whose members have developed organized patterns of relationships through interaction with one another.[4]"

کسی سوشل گروپ کا آپس میں تعاون جہاں کے لوگوں نے ایک تنظیم ایس میں مل جل کر بنائی ہو۔

"یہ انسانی روابط کا ایک کلی مرکب ہے، اس حیثیت سے کا یہ روابط عمل سے پیدا ہوتا ہے۔ جو ذرائع و مقاصد کے رشتہ سے قائم ہے"۔ [5]

---

[1]Shorter oxford English dictionary,preparedby:William little,clarendon press,oxford, 1997,vol-2,pag-2020

[2]SOCIOLOGY: ENCYCLOPEDIA OF ANTHROPOLOGY, Sage Publications Ltd. London, page# 2113

[3]oxford English dictionary clarendon press,vol,xv,pag:913,1989

[4]Webster,dictionary, Chicago,vol:3 pag 2162

[5]انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز، ج 231/13

معاشرہ کی تعریف مفکرین کی نظر میں

عمرانیات کے موضوع پر علمائے اسلام میں سے جن اہل علم نے مفصل معلومات ذکر کی ہیں ان میں شاہ ولی اللہ، امام غزالی، امام رازی، الفارابی، ابن مسکویہ، ابن سینااور ابن خلدون قابل ذکر ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ

''معاشرہ اور انسانی زندگی کا سرچشمہ خود انسان کی ذات ہے اس کی طبیعت میں جو رجحانات پائے جاتے ہیں وہ اجتماعی زندگی کی صورت میں ہی پورے ہو سکتے ہیں۔ ان رجحانات کے پس پشت فطری تقاضے کار فرما ہوتے ہیں۔''[1]

امام غزالیؒ

''انسان فطری طور پر تنہائی کی زندگی بسر نہیں کر سکتا اس لئے وہ بقائے نسل اور ضرورتوں کی تکمیل کے لیے اجتماعی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ یہی معاشرے کی بنیاد ہے۔''[2]

امام رازیؒ

''انسان کا مل جل کر رہنا فطری امر ہے لیکن جب تک اس فطری تقاضا کو منظم نہ کیا جائے معاشرہ وجود میں نہیں آتا۔''[3]

ابن خلدون

''معاشرہ محض انسانوں کے مجموعے کو نہیں کہتے بلکہ مشترکہ مفادات اور مشترکہ سوچ رکھنے والے انسانوں کے اجتماع سے ترتیب پاتا ہے۔''[4]

ابن مسکویہ

''یہ انسانی معاشرے یا عمران کے لیے تمدن کی اصطلاح استعمال کرتا ہے انسان مدنی الطبع ہے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انسان فطری اور پیدائشی طور مختلف النوع تعاون کا محتاج ہے اور یہ تعاون اور باہمی معاونت کی صورت شہر کی زندگی کے سبب عملی شکل میں ہی سامنے آسکتی ہے۔''[5]

---

[1] محمد احمد، مرزا، معاشرتی تحقیق (پروگریسو پبلیکیشنز لاہور) 1989، ص31

[2] علوی، خالد، اسلامی معاشرتی نظام، (الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور 2009م) ص32

[3] سابقہ حوالہ

[4] ابن خلدون، عبدالرحمن ابن خلدون (مقدمہ ابن خلدون، س۔ن) 29/1

[5] علم عمرانیات، (اردو دائرہ معارف اسلامیہ مقالہ) 14/1

جمال مہدی حسنین [1]

معاشرہ کی اساس تین ستونوں پر قائم ہوتی ہے۔ جغرافیائی وحدت، اقتصادی پہیہ اور ثقافتی کردار، انہی تصور پر بنی معاشرہ کو یوں بیان کرتے ہیں۔

" المجتمع ما هو إلا بناء نشأ من تفاعل مجموعة معينة من الأفراد والجماعات في مكان جغرافي محدد يستخدمون موارده السد احتياجاتهم المادية والروحية"[2]

ترجمہ: معاشرہ ایک ایسا ڈھانچہ ہوتا ہے جو ایک مخصوص جغرافیے کے اندر ہونے والے افراد اور گروہوں کے آپس کے میل جول سے جنم لیتا ہے اس میں مادی، روحانی ضروریات کی تکمیل کا سامان میسر ہوتا ہے۔

معاشرہ کی تعریف مغربی مفکرین کی نظر میں

رابرٹ ایس ورڈ ور تھ [3] کہتا ہے:

"اجتماعیت پسندی انسان کی مجبوری ہے جو رفتہ رفتہ اس کے فطری شعور کا حصہ بن گئی۔"[4]

رابرٹ میسور [5]:

امریکی ماہر سماجیات سوسائٹی کے عناصر (The Structure of Society) کی خصوصیات کا ذکر یوں کرتا ہے۔

"معاشرہ مخصوص امتیازات، قوانین اور اصولوں سے عبارت ہوتا ہے۔ اس میں نظم حکومت اور باہمی تعاون کا عنصر بھی موجود ہوتا ہے اور متنوع انسانوں سے نسلی و ثقافتی اختلافات کا مظہر اور آزادی کا آئینہ دار ہوتا ہے۔"[6]

---

[1] جمال مہدی حسنین، دور جدید کے مشہور مصری عالم ہیں ان کے علم الاجتماع اور علم البشریات پر کئی مقالے شائع ہو چکے ہیں۔ (مقالہ نگار)

[2] حسنين، جمال مجدي حسنين، دراسات اجتماعية، (دار المعرفة، طبعة ١٩٨٦ء) ص:١٨٧

[3] رابرٹ۔ ایس۔ ورڈ زور تھ 20 صدی کے مشہور امریکن اکیڈمک سائیکالوجسٹ تھا، اس نے 1921ء میں سائیکالوجی پر ایک A study of mental life لکھی۔ رابرٹ نے انسانی روپے کے لیے ایک فارمولہ تیار کیا جو کہ ایس۔ او۔ آر کہلاتا ہے، اس کی یہ تھیوری بعد میں dynamic of behaviour کے نام سے 1958 میں شائع ہوئی۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے)

TunnelEHA bibliography of artiales and books by robeets (1938-1959) American journel of -psychology 1887,university ofusapress)

[4] علوی، ڈاکٹر خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام (الفیصل ناشران وتاجران کتب) ص 03

[5] Robert Maciver / MacIver رابرٹ میسور (١٨٨٢ء-١٩٩٧٠ء) امریکی ماہر سیاسیات، سوشیالوجسٹ، اور جدید دور کا مشہور فلسفی، کتابوں میں شامل ہیں۔

[6] The elements of social science, by Robert MacIver, London, Methuen & co.ltd, pg #101/80

ارسطو:

”انسان مدنی الطبع ہے انسان طبعی اور جبلی طور پر مل جل کر رہنے کو پسند کرتا ہے[1]۔“

مانسکیو[2]:

”آدمی کی معاشرت پسندی کا باعث ماحول کا خوف تھا نتیجہ یہ ہے کہ ماحول کی شدت اور اس کی کمزوری اجتماعیت کا سبب بنی اور اس نے اس ڈھب سے ماحول پر قابو پایا۔“[3]

Emile Durkheim:

‘‘According to Durkheim, society should be analyzed and described in terms of functions. Society is a system of interrelated parts where no one part can function without the other. These parts make up the whole of society. If one part changes, it has an impact on society as a whole[4]’’

[1] The political theory of Montesquiee by chales de secondant de Montesquiee,pg324

[2] 1689ء میں فرانس کے ایک امیر گھرانے میں پیدا ہوئے، اس نے 1721 میں PRESSION LETTER لکھے جس میں اس نے امیر فرانسیوں اور چرچ پر تنقید کی، انہوں نے کچھ قوانین مقرر کئے اس کی کتاب THE SPIRT OF LAN میں شائع ہوئی۔ مزید تفصیل کے لیے:

The political theory of Montesquiee by chales de secondant de Montesquiee, melvy richter (Cambridge university press London, 1977)

[3] The political theory of Montesquiee by chales de secondant de Montesquiee,pg324

[4] Emile Durkheim: Society, Integration Level and Suicide Study 5:43

فصل دوم: حسن معاشرت کا دائرہ کار

(الف) سماجی اور معاشرتی دائرہ کار

معاشرے میں موجود تمام لوگوں کا ایک دوسرے سے مضبوط تعلق اور حقوق کا ایک لا متناہی سلسلہ اسلامی تعلیمات کا بنیادی جز ہے اسی لئے حسن معاشرت کا دائرہ کار معاشرے میں موجود تمام افراد اور تمام جہتوں تک پھیلا ہوا ہے۔ معاشرہ میں موجود سب انسانوں کا ایک دوسرے پر انحصار اور گہرے تعلق کی وجہ سے سارے انسان کچھ حقوق کے پابند ہیں جن کی پاسداری ایک خوشحال اور پرامن معاشرے کا ضامن ہے جبکہ ان حقوق سے غفلت معاشرے میں بگاڑ اور بدامنی کا سبب بنتا ہے۔

ان حقوق کی ادائیگی پر قرآن کریم بھی زور دیتا ہے تاکہ ایک معاشرہ پرامن اور خوشحال رہے، بلاشبہ حسن معاشرت کے سب سے زیادہ حق دار والدین ہیں اور والدین کے بعد دوسرے لوگوں کے حقوق کی باری آتی ہے تو اس بارے میں قرآن کریم ایک مسلمہ اصول بیان فرماتا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے۔

{وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ} [1]

ترجمہ:

”ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور پاس بیٹھنے والے کے ساتھ بھی (نیکی کرو)۔“

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو تعلیم دی گئی کہ وہ رشتہ دار اور غیر رشتہ دار سبھی کے ساتھ حسن سلوک کریں۔ معاشرے کا ہر فرد رشتۂ قرابت یا رشتۂ انسانیت واخوت کی بنیاد پر ہی نظام معاشرت سے وابستہ اور معاشرتی فرائض کا پابند ہے ۔اسلام، افراد واجتماعیت کو سنوارنے کے لیے اور ایک خوب صورت مثالی معاشرہ تشکیل دینے کے لیے اقدامات کرتا ہے اور عمدہ تعلیمات فراہم کرتا ہے، ذیل میں حسن معاشرت کا سماجی اور معاشرتی دائرہ کار کا بیان ہے۔

والدین اور قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی

والدین کی عظمت و بزرگی ہر معاشرے میں مسلم ہے لیکن اسلامی تعلیم میں والدین کا درجہ بہت اونچا رکھا گیا ہے۔انسان کے حسن اخلاق کے سب سے زیادہ حق دار اس کے والدین ہیں۔انسان معاشرے میں بہترین اخلاق کا حامل نہیں ہو سکتا جب تک اس کے اخلاق اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہترین نہ ہو۔اور اہل وعیال میں سب سے اونچا

---

[1] النساء:36

درجہ والدین کا ہے۔اسلئے والدین حسن اخلاق کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ارشاد ربانی ہے۔

{وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا}[1]

ترجمہ:

''اور تیرا رب فیصلہ کر چکا ہے اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اور اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اف بھی نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے ادب سے بات کرو۔''

قرآن کریم میں اللہ تعالی فرماتا ہے:

{وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا}[2]

ترجمہ: ''اور اگر تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں تو میرے ساتھ اس کو شریک بنائے جس کو تو جانتا بھی نہ ہو تو ان کا کہنا نہ مان، اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرو''

جس طرح مسلم والدین حسن سلوک کے مستحق ہیں اسی طرح اگر والدین کافر و مشرک بھی ہو تب بھی ان کے ساتھ بھی بے رخی اور لاتعلقی کو ناجائز قرار دیا بلکہ ان کو حسن سلوک کا مستحق قرار دیا۔اسی طرح صلہ رحمی کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے۔

{وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ}[3]

ترجمہ:

''اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں جس کے ملانے کو اللہ نے فرمایا ہے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب کا خوف رکھتے ہیں۔''

مہذب اور شائستہ گفتگو کا طریقہ

انسان معاشرے میں جس چیز سے اپنی شناخت قائم کرتا ہے وہ اس کی بات چیت کا انداز ہے، بات کی انداز، گفتگو کی شائستگی، زبان کی مٹھاس اور اس کی حلاوت ایسی چیز ہے جو مخاطب کے جسم کے ساتھ ساتھ اس کے دل و دماغ پر بھی اثر

---

[1] الاسرا:17

[2] لقمان:15

[3] الرعد:21

کرتا ہے۔ انسان کے منہ سے نکلی ہوئی بات کا معاشرے کے سنوارنے اور بگاڑنے میں اہم کردار ہے۔ قرآن کریم نے مہذب اور شائستہ گفتگو کی اہمیت کے بارے میں فرمایا ہے۔

{وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا}[1]

ترجمہ: "لوگوں سے خوبصورت بات کرو"

نگران اور ماتحت کے درمیان حسن معاشرت

زندگی کے ہر شعبے میں کسی نہ کسی سطح پر ایک نگران ہوتا ہے اور اس کے ماتحت کام کرنے والے لوگ ہوتے ہیں نگران اپنے ماتحتوں کا ذمہ دار ہوتا ہے اور ان کے کام کی نگرانی کرتا ہے اسی طرح دنیا کا نظام چلا آرہا ہے ایک بہترین نگران وہ ہے جس کے ماتحت لوگ اپنا کام بخوبی سرانجام دیتے رہیں، اور یہ تب ممکن ہے جب نگران اپنے ماتحتوں کے حقوق کا خیال رکھتا ہو اور اپنے ماتحت لوگوں سے بہترین سلوک اور برتاؤ رکھتا ہو۔

قوم کا سربراہ اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس کی خیر خواہی کرنا، ہر طرح کی ضروریات کا خیال رکھنا اور اس کی بہتری کی فکر کرنا، اس کی ذمہ داری ہی نہیں بلکہ میں فرض ہے۔ اسے اس کا احساس ضروری ہے۔ قوم کے رہبر کی حیثیت ایک خادم کی سی ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے اس فرض منصبی کو صحیح طریقے سے انجام دے تو اس کے ماتحت افراد خوشحال ہوں گے، جذبہ جانثاری کے ساتھ اپنا ہر طرح کا تعاون پیش کریں گے۔ قیادت ایک امانت ہے، جو اس کے اہل تک پہنچانا ضروری ہے۔

قرآن کا اعلان ہے:

{اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا ۙ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ۭ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا}[2]

ترجمہ: ''مسلمانوں اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ ت کو نہایت ہی عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقین اللہ سب کچھ دیکھتا ہے''۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے نگران اور ماتحت کے درمیان تعلق کے بارے میں ایک مسلمہ اصول بیان فرمایا ہے،

((كلُّكم راعٍ وكلُّكم مسؤولٌ عن رعيتِهِ فالأميرُ الذي على الناسِ راعٍ عليهم وهو مسؤولٌ عنهم والرجلُ راعٍ على أهلِ بيتِهِ وهو مسؤولٌ عنهم والمرأةُ راعيةٌ على بيتِ بعلها وولدِهِ وهي مسؤولةٌ عنهم وعبدُ الرجلِ راعٍ على بيتِ سيدِهِ وهو مسؤولٌ عنهُ ألا فكلُّكم راعٍ وكلُّكم مسؤولٌ عن رعيتِهِ[3]))

---

[1] البقرہ:83

[2] النساء:58

[3] بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (کراچی: مکتبہ مظہریہ، س۔ن) باب الصلوۃ، کتاب الجمعہ، ح:893

ترجمہ:

''عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس کے ماتحتوں کے متعلق اس سے سوال ہوگا۔ امام نگران ہے اور اس سے سوال اس کی رعایا کے بارے میں ہوگا۔ انسان اپنے گھر کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس کے ماتحتوں کے متعلق اس سے سوال ہوگا۔''

(ب) انتظامی معاملات میں حسن معاشرت کا دائرہ کار

حسن معاشرت بنیادی طور پر اچھے اخلاق ہیں اور اچھے اخلاق ایک ایسی خصوصیت ہے جس کا تعلق انسانی معاشرے کے ہر شعبے سے وابستہ ہے لیکن انتظامی شعبہ ایک ایسا شعبہ ہے جس میں حسن معاشرت کا بنیادی کردار ہے حسن معاشرت جہاں ایک انتظام کو بہترین بناتا ہے وہی حسن معاشرت کا نہ ہونا اس نظام کے خاتمے کا سبب ہے۔ دین اسلام میں بھی ایک نگران کے لئے ماتحتوں کے ساتھ حسن معاشرت اور بہترین تعلق کا حکم ہے حدیث شریف کے مفہوم کے مطابق جب ہر ایک انسان کو نگران مقرر کیا گیا ہے اور ہر ایک سے اپنے ماتحتوں کے بارے میں سوال ہوگا کہ اس نے اپنی ذمہ داری کیسے نبھائی، اپنے ماتحتوں کے حقوق کا خیال رکھا یا نہیں؟ ان کے ساتھ انصاف سے پیش آیا یا نہیں؟ نبی کریم کے الفاظ مبارکہ ہیں۔

((عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما، انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول:" كُلُّكم راعٍ وكلُّكم مسؤولٌ عن رعيتِهِ.[1]))

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا ''ہر آدمی حاکم ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا۔

مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم کا سربراہ اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس کی خیر خواہی کرنا، ہر طرح کی ضروریات کا خیال رکھنا اور اس کی بہتری کی فکر کرنا اس کی ذمہ داری ہی نہیں بلکہ عین فرض منصبی ہے۔ اور اس میں کوتاہی کرنے والا ملامت و عذاب کا مستحق ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے

((عن معقل سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال:" ما مِن والٍ يَلِي رَعِيَّةً مِنَ المُسْلِمِينَ، فَيَمُوتُ وهو غاشٌّ لهمْ، إلَّا حَرَّمَ اللَّهُ عليه الجَنَّةَ))[2]

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب العتق، بَابُ الْعَبْدُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ، ح:2558

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، بَابُ مَنِ اسْتُرْعِيَ رَعِيَّةً فَلَمْ يَنْصَحْ، ح:7151

ترجمہ:

"معقل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول ﷺ سے سنا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مسلمانوں کا حاکم بنایا گیا اور اس نے ان کے معاملہ میں خیانت کی اور اسی حالت میں مر گیا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے۔"

ذیل میں کچھ خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے جو ایک منتظم کیلئے ضروری ہیں اور انتظام میں حسن پیدا کرتے ہیں۔

عدل کا قیام

عدل کا جو پیمانہ جو اسلام نے دیا ہے، دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے قول اور فعل سے مساوات کی بہترین مثالیں قائم فرمائیں۔ اسلام میں امیر و غریب، شاہ و گدا، اعلیٰ و ادنیٰ، آقا غلام اور حاکم و محکوم میں کوئی فرق نہیں رکھا جاتا بلکہ اسلام تمام انسانیت کو برابر حقوق دینے کا حکم دیتا ہے۔

عدل و انصاف کا مطلب یہ ہے کہ انتظامی امور میں توازن و اعتدال قائم رکھا جائے۔ معاشرے کے مختلف طبقات، قبائل اور گروہوں کے ساتھ انصاف کرنا ان کے حقوق ادا کرنا، انہیں فرائض کی ادائیگی کے لیے تیار کرنا اور ایسی فضا قائم کرنا جس میں ہر شخص یہ محسوس کرے کہ انصاف کیا جا رہا ہے، عدل و انصاف کہلاتا ہے۔ اس سلسلے میں انفرادی یا اجتماعی اختلاف اور دشمن کو ختم کرنے کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم دیا۔

{وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭاِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى}[1]

ترجمہ: اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث عدل کو ہرگز نہ چھوڑو عدل کر دیہی تقویٰ کے بہت زیادہ قریب ہے۔

اسی عدل و انصاف کا مظاہرہ جب حضور اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر کیا تو دشمن بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ ایک قائد اور منتظم پر لازم ہے کہ وہ صرف قرآن اور سنت کے مطابق فیصلہ کرے اور عدل و انصاف سے کام لے۔ عدل و انصاف سے فیصلہ کرنے کا حکم کسی کی خواہشات پر چلنے کی نفی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت اس آیت میں فرما دی:

{وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ}[2]

ترجمہ:

"اور اپنے آپس میں اپنے مالوں کو ناحق نہ کھاؤ، اور ان کو حکام کی طرف ڈالو تا کہ تم گناہ کے ساتھ لوگوں کے مال کا ایک حصہ کھا جاؤ اور تم تو جانتے ہو۔"

---

[1] المائدہ:8

[2] البقرۃ:188

رفق

نرمی اور رفق ایک ایسی صفت ہے جو ایک منتظم کے لئے بہت ضروری ہے کیونکہ اگر امیر کے دل میں نرمی نہیں ہو گی تو لوگوں کے دل میں اس کے لئے محبت نہیں ہو گی جس کی وجہ سے فساد اٹھ کھڑے ہوں گے۔ رفق کی اہمیت بیان کرتے ہوئے امام بخاری[1] نے حدیث مبارکہ نقل کی ہے:

((عن عائشة رضي الله عنها قالت مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ فِي بَيْتِي هَذَا " اللَّهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ)) [2]

ترجمہ:

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یااللہ جو کوئی بھی میری امت کے کسی معاملے کا ولی بنا اور اس نے ان پر سختی کی تو تو بھی اس پر سختی فرما اور جو کوئی بھی میری امت کے کسی امر کا ولی بنا اور اس نے نرمی کی تو تو بھی اس پر نرمی فرما۔"

اسی طرح صحیح مسلم میں امام مسلمؒ[3] ہے کہ:

---

[1] پورا نام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بَرْدِزبہ جعفی بخاری۔ اہل سنت والجماعت کے مشہور محدث، رجال حدیث، جرح و تعدیل اور علل کے امام اور بڑے حافظ حدیث اور فقیہ ہیں۔ بخارا میں جمعہ کی رات 13 شوال سنہ 194 ہجری مطابق 20 جولائی سنہ 810 عیسوی میں پیدا ہوئے، علمی گھرانہ میں پرورش پائی جہاں ان کے والد خود حدیث کے بڑے عالم تھے، امام بخاری کے والد بچپن ہی میں وفات پا گئے اور امام بخاری یتیمی کی حالت میں ماں کی کفالت و تربیت میں پروان چڑھے، بچپن ہی سے طلب علم میں مشغول ہوئے، چنانچہ بچپن ہی میں قرآن مجید اور اس زمانہ کی امہات الکتب کو حفظ کر لیا، یہاں تک کہ جب عمر دس سال ہوئی تو حدیث حفظ کرنا شروع کیا، شیوخ اور علما کے پاس آنے جانے لگے، دورس حدیث کے حلقوں میں شریک ہونے لگے، اور سولہ برس کی عمر میں عبداللہ بن مبارک اور وکیع بن جراح کی کتابوں کو حفظ کر لیا۔ طلب حدیث اور شیوخ سے ملاقات کی غرض سے اسلامی دنیا کے اکثر ملکوں اور شہروں کا سفر کیا، وہاں کے تقریباً ایک ہزار علما و شیوخ سے استفادہ کیا اور تقریباً چھ لاکھ احادیث کو جمع کیا۔

امام بخاری کی صحیح بخاری کے علاوہ دیگر کئی تصنیفات ہیں، جس میں سب سے مشہور التاریخ الکبیر، الادب المفرد، رفع الیدین فی الصلاۃ اور قرات خلف الامام وغیرہ ہے۔ اخیر عمر میں امام بخاری پر آزمائش کا آغاز ہوا، ان پر بہت ظلم ڈھایا گیا، یہاں تک کہ انھیں نیشاپور اور بخارا سے شہر بدر کر دیا گیا، چنانچہ وہاں سے سمرقند کے ایک دیہات میں چلے گئے، وہیں آخری سانس تک بیماری کی حالت میں مقیم رہے اور عید الفطر کی رات سنیچر کے دن 256 ہجری مطابق 1 ستمبر 870 عیسوی میں وفات ہو گئی۔

[2] مسلم، امام مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم (سعودی عرب: دار طیبہ للنشر التوزیع، طبع 1427)، کتاب الادب، باب فضیلة الامام العادل ،ح 2153

[3] امام مسلمؒ کا پورا نام مسلم بن حجاج بن مسلم، کنیت ابوالحسنین، نیشاپور جو خراسان کا بہت خوبصورت اور مشہور شہر ہے، پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت 202 ہجری بعض نے 204 یا 206 ہجری تحریر کیا ہے۔ ان کی وفات 24 رجب 261 ہجری، تین لاکھ حدیثیں آپ کو زبانی یاد تھیں۔ آپ کی بہت سی تصانیف میں سے " صحیح مسلم شریف جو صحاح ستہ میں شامل ہے بہت مشہور ہے۔

((عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول اللهﷺ ان الله رفيق يحب الرفق)) [1]

ترجمہ ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالی نرمی فرمانے والا ہے اور نرمی کو پسند فرماتا ہے۔''

مذکورہ بالا تمام احادیث سے رفق کی اہمیت احسن طریقے سے واضح ہو گئی۔ جس سے یہ پتہ چلا کہ اولوالامر کے ساتھ نرمی کا ہونا کتنا ضروری ہے۔

اسی طرح نرمی کی فضیلت کے بارے میں نبی رحمت ﷺ فرماتے ہیں:

((جرير بن عبد الله قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول :مَن يُحرَم الرفق يُحرَم الخير كله،))[2]

ترجمہ:''جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو انسان نرم خوئی سے محروم ہو، وہ ساری خیر سے محروم ہے۔''

حلم

قائد کی صفات میں سے یہ بھی ہے کہ امیر کے اندر حوصلہ، علم اور بردباری ہو کیونکہ سیاست کے لئے ہر وقت تین چیزیں ضروری ہوتی ہیں 1: کاموں میں نرمی اختیار کرنا 2: ہر چیز میں صبر کرنا 3: خاموشی اختیار کرنا۔

حلم کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

((لَيْسَ اَلْخَيْرَ أَنْ يَكْثُرَ مَالُكَ وَ وُلْدُكَ وَ لَكِنَّ اَلْخَيْرَ أَنْ يَكْثُرَ عِلْمُكَ وَ يَعْظُمَ حِلْمُكَ)) '[3]

ترجمہ: بھلائی اس میں نہیں ہے کہ تیرا مال اور اولاد زیادہ ہو بلکہ بھلائی اس میں ہے کہ تیرا علم زیادہ ہو اور تیرا حوصلہ بلند ہو۔

اسی طرح امام طبری لکھتے ہیں:

"بلغ عمر بن الخطاب رضي الله عنه أن جماعة من رعيته اشتكو من عماله فأمرهم أن يوافوه ، فلما أتوه قام فحمد الله واثنى عليه ثم قال أيها الناس أيتها الرعية إن لنا عليكم حقا النصيحة بالغيب والمعاونة على الخير أيتهاالرعاة إن للرعية عليكم حقا فاعلموا أنه لاشئ أحب إلى الله ولا أعز من حلم امام ورفقة،"[1]

---

[1] مسلم، صحیح مسلم، کتاب العتق، باب فضل الرفق، ح2593

[2] مسلم، صحیح مسلم، کتاب العتق، باب فضل الرفق، ح4694

[3] اللبیہقی، احمد بن حسین بن علی بن موسی، الزھد الکبیر (دار الجنان موسسۃ الکتب 1418)، ص276

آدمی رائے تک اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک اس کا علم اس کے جہل پر غالب نہ آئے اور اس کا صبر اس کی شہوت پر غالب نہ آئے اور اس مقام تک وہ صرف علم کے ذریعے ہی پہنچ سکتا ہے۔

(ج) بین الاقوامی سطح پر حسن معاشرت کا دائرہ کار

اسلام چونکہ ملت اسلامیہ کی بھلائی چاہتا ہے وہ انسان کے محبت و مروت کے تقاضوں کو کچلنا نہیں چاہتا بلکہ اس کی پاسداری کرتا ہے اس لیے ایک مثالی ریاست کا فرض یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ ریاست کے سارے شہریوں کے حقوق کا خیال رکھے اور ضروری امور میں تعاون کرے۔ حقوق العباد کی مکمل ادائیگی ہی دراصل حسن معاشرت ہے اسی لئے شریعت اسلامیہ نے ہر شخص کو مکلف بنایا ہے کہ وہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی مکمل طور پر ادائیگی کرے۔ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کی قرآن وحدیث میں بہت زیادہ اہمیت بیان کی گئی ہے اور خاص تعلیمات وارد ہوئی ہیں۔ نیز نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین نے اپنے قول و عمل سے لوگوں کے حقوق ادا کرنے کی جو بے شمار مثالیں پیش کی ہیں، وہ رہتی دنیا تک پوری انسانیت کے لیے مشعل راہ ہیں۔ ارشاد مبارکہ ہے:

((عن ابي هريرة ، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: أَتَدْرُونَ ما المُفْلِسُ؟ قالوا: المُفْلِسُ فِينا مَن لا دِرْهَمَ له ولا مَتاعَ، فقالَ: إنَّ المُفْلِسَ مِن أُمَّتي يَأْتي يَومَ القِيامَةِ بصَلاةٍ، وصِيامٍ، وزَكاةٍ، ويَأْتي قدْ شَتَمَ هذا، وقَذَفَ هذا، وأَكَلَ مالَ هذا، وسَفَكَ دَمَ هذا، وضَرَبَ هذا، فيُعْطَى هذا مِن حَسَناتِهِ، وهذا مِن حَسَناتِهِ، فإنْ فَنِيَتْ حَسَناتُهُ قَبْلَ أنْ يُقْضَى ما عليه أُخِذَ مِن خَطاياهُمْ فَطُرِحَتْ عليه، ثُمَّ طُرِحَ في النَّارِ)) "[2]

ترجمہ:

"سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" : تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟" صحابہ نے عرض کیا: ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی پیسہ اور دنیا کا سامان نہ ہو۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن بہت سی نماز، روزہ، زکاۃ (اور دوسری مقبول عبادتیں) لے کر آئے گا مگر حال یہ ہوگا کہ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا یا کسی کو مارا پیٹا ہوگا تو اس کی نیکیوں میں سے 'ایک حق والے کو (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی، ایسے ہی دوسرے حق والے کو اس کی نیکیوں میں سے (اس کے حق کے بقدر) نیکیاں دی جائیں گی۔ پھر اگر دوسروں کے حقوق چکائے جانے سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں

---

[1] الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الطبری (مصر: دار المعارف 2001) 240/4

[2] مسلم، صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب تَحْرِيمِ الظُّلْمِ، ح 6579

گی تو (ان حقوق کے بقدر) حقداروں اور مظلوموں کے گناہ (جو انہوں نے دنیا میں کیئے ہوں گے) ان سے لے کر اس شخص پر ڈال دیئے جایئیں گے اور پھر اس شخص کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔"

بادشاہوں اور اُمراء کے نام خطوط

نبی کریم ﷺ نے دوسرے ممالک کے بادشاہوں اور قیادت کے ساتھ بہترین سفارتی تعلقات کو فروغ دیا جب مدینہ میں اسلام کو عروج ملا تو نبی ﷺ نے محسوس کیا کہ اب دوسرے ممالک تک اسلام کا پیغام جانے کا وقت آن پہنچا ہے تو نبی کریم ﷺ نے سفارتی روایات اور اصول کے مطابق دوسرے بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط اور پیغامات بھیجے اور ان کے پیغامات بھی وصول فرمائے اور تعلقات کو بہترین رکھنے کے لیے دوسرے ممالک کے بادشاہوں کے ساتھ تحائف اور ہدایا کا تبادلہ بھی ہوا۔

۶ھ کے اخیر میں جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو آپ نے مختلف بادشاہوں کے نام خطوط لکھ کر انہیں اسلام کی دعوت دی۔ جب آپ ﷺ نے ان خطوط کے لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ سے کہا گیا کہ بادشاہ اسی صورت میں خطوط قبول کریں گے جب ان پر مہر لگی ہو۔ اس لیے نبی ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی، جس پر محمد رسول اللہ نقش تھا۔ یہ نقش تین سطروں میں تھا۔ محمد ایک سطر میں، رسول ایک سطر میں، اور اللہ ایک سطر میں، پھر آپ ﷺ نے معلومات رکھنے والے تجربہ کار صحابہ کو بطور قاصد منتخب فرمایا۔ اور انہیں بادشاہوں کے پاس خطوط دے کر روانہ فرمایا۔

آنحضرت ﷺ نے مختلف بادشاہوں یا قبائل کے سرداروں کے نام جو خطوط بھیجے ہیں ان کی تعداد تقریباً سوا دو سو تک ہے۔[1]

مقوقس شاہِ مصر کے نام خط

نبی ﷺ نے ایک خط مقوقس کے نام روانہ فرمایا جو کہ مصر واسکندریہ کا بادشاہ تھا۔ نامۂ گرامی میں بسم اللہ اور دعا وسلام کے بعد تحریر کیا کہ:

"میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لاؤ سلامت رہو گے۔ اور اسلام لاؤ اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا، لیکن اگر تم نے منہ موڑا تو تم پر اہلِ قبط کا بھی گناہ ہو گا۔

> "اے اہلِ قبط! ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے بعض، بعض کو خدا کے طور پر قبول نہ کرے۔ پس اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔"[1]

---

[1] حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی (لاہور: نگارشات پبلشرز) 134

اس خط کو پہنچانے کے لیے حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا انتخاب فرمایا گیا۔ مقوقس نے نبی ﷺ کا خط لے کر (احترام کے ساتھ) ہاتھی دانت کی ایک ڈبیہ میں رکھ دیا اور مہر لگا کر اپنی ایک لونڈی کے حوالے کر دیا۔ پھر عربی لکھنے والے ایک کاتب کو بلا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حسب ذیل خط لکھوایا :

"محمد بن عبداللہ کے لیے مقوقس عظیم قبط کی طرف سے۔ آپ پر سلام! امابعد میں نے آپ کا خط پڑھا۔ اور اس میں آپ کی ذکر کی ہوئی بات اور دعوت کو سمجھا۔ مجھے معلوم ہے کہ ابھی ایک نبی کی آمد باقی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ وہ شام سے نمودار ہوگا۔ میں نے آپ کے قاصد کا اعزاز واکرام کیا۔ اور آپ کی خدمت میں دو لونڈیاں بھیج رہا ہوں جنہیں قبطیوں میں بڑا مرتبہ حاصل ہے۔ اور کپڑے بھیج رہا ہوں۔ اور آپ کی سواری کے لیے ایک خچر بھی ہدیہ کر رہا ہوں، اور آپ پر سلام"[2]

مقوقس نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا اور اسلام نہیں لایا۔ دونوں لونڈیاں بھیجی جن کے نام ماریہ اور سیرین تھیں۔ خچر کا نام دُلدل تھا۔ جو حضرت معاویہؓ کے زمانے تک باقی رہا۔ نبی ﷺ نے ماریہ کو اپنے پاس رکھا۔ اور انہی کے بطن سے نبی ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے۔ اور سیرین کو حضرت حسان بن ثابت انصاری کے حوالے کر دیا۔[3]

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے نجاشی شاہ حبش، شاہ فارس خسرو پرویز، قیصر شاہ روم، اور ہوذہ بن علی صاحبِ یمامہ کے نام بھی خطوط ارسال فرمائے۔

(د) غیر مسلموں کے ساتھ حسن معاشرت کا دائرہ کار

اسلام نے ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو بلند اخلاق اور اعلی ظرفی کی تعلیم دی ہے اسلامی شریعت یہ نہیں چاہتی کہ بداخلاقی اور نامناسب زبان استعمال کی -جائے یا کسی بھی معاملے میں تنگ نظری بھرتی جائے چنانچہ اسلام نے مسلمانوں کو باہمی اخلاقیات اور حسن اخلاق کی تعلیم دی ہے ان کا مصداق ہم سب مسلمان ہیں لیکن غیر مسلم افراد میں بھی اس میں شامل ہیں۔

جیسے اسلام میں پڑوسیوں کی بڑی اہمیت بتائی گئی ہے، ان کے ساتھ حسن سلوک، حسن اخلاق کی تعلیم دی ہے اور ان کو اپنے شر سے حفاظت کی ہدایت دی ہے۔ ایک پڑوسی پہلو کے ساتھی کو بھی بتایا گیا ہے، جس کو 'الصاحب بالجنب' سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے مراد ہم نشیں دوست بھی ہے، اور ایسا شخص بھی جس سے کہیں کسی وقت آدمی کا ساتھ ہو جائے، جیسے بازار آتے جاتے ہوئے کارخانہ یا دوکان اور فیکٹری میں کام کرتے ہوئے یا کسی طرح بھی ایک دوسرے

---

[1] مبارکپوری، صفی الرحمن، الرحیق المختوم، اردو ترجمہ، (لاہور: مکتبہ سلفیہ) 479

[2] ایضا: 4810

[3] الجوزیہ، ابن قیم، زاد المعاد، (مصر: موسسۃ الرسالہ 1429ـ س۔ن) 61/3

کی صحبت حاصل ہو وہاں بھی حکم دیا گیا ہے کہ نیک برتاؤ کرے اور تکلیف نہ دے، اس میں بھی مسلم اور غیر مسلم کی کوئی قید نہیں ہے، ایسے ہی پڑوسی کی جتنی بھی صورتیں ہو سکتی ہیں، سب میں مسلمان کے ساتھ غیر مسلم بھی داخل ہیں۔ ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اس وقت تک بندہ مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک اپنے بھائی اور پڑوسی کے لیے وہی چیزیں پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے" مسند احمد

پڑوسیوں سے متعلق اس طرح کے جو بھی احکام ہیں ان میں مسلم اور غیر مسلم دونوں داخل ہیں، یعنی جس طرح مسلمان پڑوسی کو تکلیف سے محفوظ رکھا جائے گا اور اسے خوشی و راحت میں شامل کیا جائے گا، اسی طرح غیر مسلم پڑوسی کا بھی حق ہے کہ اسے امن فراہم کیا جائے اور حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے، صحابہ کرامؓ نے اس پر سختی سے عمل کیا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک بار ایک بکری ذبح کرائی، غلام کو ہدایت کی کہ وہ سب سے پہلے پڑوسی کو گوشت پہنچائے، ایک شخص نے کہا حضور! وہ تو یہودی ہے، آپ نے فرمایا یہودی ہے تو کیا ہوا، یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ کا حوالہ دیا کہ جبرئیلؑ نے مجھے اس قدر اور مسلسل وصیت کی کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ وہ پڑوسیوں کو وراثت میں حصہ دار بنا دیں گے۔

وہ تمام حقوق میں، جو کسی مذہبی فریضہ اور عبادت سے متعلق نہ ہوں، بلکہ ان کا تعلق ریاست کے نظم و ضبط اور شہریوں کے بنیادی حقوق سے ہو غیر مسلم اقلیتوں اور مسلمانوں کے درمیان عدل و انصاف اور مساوات قائم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسلامی ریاست میں تمام غیر مسلم اور رعایا کو عقیدہ، مذہب، جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی ضمانت حاصل ہوگی۔ قانون کی نظر میں سب کے ساتھ یکساں معاملہ کیا جائے گا، بحیثیت انسان کسی کے ساتھ کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔

اگر غیر مسلم مسلمانوں کے خلاف کسی سازشی سرگرمی میں مبتلا نہ ہوں، ان سے خیر خواہی، مروت، حسن سلوک اور رواداری کی ہدایت دی گئی ہے۔

{لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ}[1]

ترجمہ: "اللہ تم کو منع نہیں کرتا ہے ان لوگوں سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ ان سے کرو بھلائی اور ان کے ساتھ انصاف کا سلوک کرو۔"

سماجی زندگی میں غیر مسلموں سے تحائف کا تبادلہ

سماجی زندگی میں تحائف اور ہدایا کے لین دین کی بڑی اہمیت ہے، اس سے دوستی بڑھتی ہے، باہمی فاصلے کم ہوتے

[1] الممتحنہ: ۸

ہیں اور دلوں سے تکلیف ورنج کے آثار دور ہوتے ہیں، اس راز کو بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: '' تہادوا تحابوا''

''ہدایہ کا لین دین کرو اس سے محبت میں اضافہ ہوگا''۔

یہ حکم بھی عام ہے، اس سے غیر مسلم خارج نہیں؛ بلکہ ان سے بھی ہدایا کا تبادلہ کیا جانا چاہیے، احادیث میں غیر مسلموں کو تحفے دینے اور ان کے تحفے قبول کرنے کا ثبوت موجود ہے، حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

''ان کسریٰ اہدی لہ فقبل وان الملکوک اہدوا الیہ فقبل منہم''۔ (ترمذی، ابواب السیر)

''کسریٰ 'شاہ ایران' نے آپ کو ہدیہ پیش کیا، آپ نے قبول کیا، دیگر بادشاہوں نے بھی آپ کو ہدیے دیئے، آپ ﷺ نے قبول فرمائے۔''

اجتماعی زندگی میں تحفے تحائف کے لین دین اور تبادلہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے، اور یہ ایک اخلاقی ضرورت ہے اس سے محبت اور دوستی بڑھتی ہے اور تعلقات مضبوط ہوتے ہیں باہمی فاصلے مٹ جاتے ہیں۔ تکلیف اور غم کے آثار دور ہوتے ہیں۔ اس راز کو بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا۔

((عن ابي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ وَلاَ تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَّ فِرْسِنِ شَاةٍ)) [1]

ترجمہ:

''ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو، اس لیے کہ ہدیہ دل کی کدورت کو دور کرتا ہے، کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے ہدیہ کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ وہ بکری کے کھر کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو''

یہ حکم عام ہے اسے غیر مسلم خارج نہیں ہوتے بلکہ ان کا ہدایا بھی قبول کیے جا سکتے ہیں، احادیث کے مطالعے سے غیر مسلموں کو تحفہ دینے اور ان کو تحفے قبول کرنے کا ثبوت ملتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف مسلمانوں کو تعلیم بھی دی ہے اور اس پر اس پر عمل بھی کیا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ بیان کرتی ہیں کہ:

((عن عائشة رضي الله عنها قالت كانَ رَسولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ يَقْبَلُ الهَدِيَّةَ ويُثِيبُ عَلَيْهَا)) [1]

---

1 ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، (بیروت: دار السلام للنشر والتوزیع طبع اول۔1408)، باب فِي حَثِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى التَّهَادِي، باب الولاء والھبۃ، ح:2130

ترجمہ: ’’رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کے عوض ہدایا دیتے تھے۔‘‘

((رَأَى عُمَرُ حُلَّةَ سِيَرَاءَ تُبَاعُ، فَقالَ: يا رَسولَ اللَّهِ، ابْتَعْ هذِه والبَسْهَا يَومَ الجُمُعَةِ، وإذَا جَاءَكَ الوُفُودُ. قالَ: إنَّما يَلْبَسُ هذِه مَن لا خَلَاقَ له فَأُتِيَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ منها بحُلَلٍ، فأرْسَلَ إلى عُمَرَ بحُلَّةٍ، فَقالَ: كيفَ أَلْبَسُهَا وقدْ قُلْتَ فِيهَا ما قُلْتَ؟ قالَ: إنِّي لَمْ أُعْطِكَهَا لِتَلْبَسَهَا، ولَكِنْ تَبِيعُهَا أَوْ تَكْسُوهَا فأرْسَلَ بهَا عُمَرُ إلى أخٍ له مِن أهْلِ مَكَّةَ قَبْلَ أنْ يُسْلِمَ))".[2]

ترجمہ:

’’ہم سے خالد بن مخلد نے بیان کیا، کہا ہم سے سلیمان بن بلال نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن دینار نے بیان کیا اور ان سے عبداللہ بن عمر نے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص کے یہاں ایک ریشمی جوڑا فروخت ہو رہا ہے۔ تو آپ نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ آپ یہ جوڑا خرید لیجئیے تاکہ جمعہ کے دن اور جب کوئی وفد آئے تو آپ اسے پہنا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے تو وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ پھر نبی کریم ﷺ کے پاس بہت سے ریشمی جوڑے آئے اور آپ ﷺ نے ان میں سے ایک جوڑا عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اسے کس طرح پہن سکتا ہوں جب کہ آپ خود ہی اس کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمانا تھا، فرما چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں پہننے کے لیے نہیں دیا بلکہ اس لیے دیا کہ تم اسے بیچ دو یا کسی (غیر مسلم) کو پہنا دو۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے مکے میں اپنے ایک بھائی کے گھر بھیج دیا جو ابھی اسلام نہیں لایا تھا۔‘‘

غیر مسلموں کی دعوت قبول کرنا اور عیادت کرنا

سماج میں خوشگوار زندگی گذارنے کے لیے مہمانوں کی آمد و رفت اور دعوت کھانے اور قبول کرنے کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دعوت دے تو اسے قبول کرنا پسندیدہ ہے، بلاوجہ اسے رد کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے، اسی طرح غیر مسلم کے ساتھ بھی جائز مقاصد کے لیے کھانا پینا مباح ہے، وقت ضرورت اسے دعوت دی جاسکتی ہے اور اس کی دعوت قبول کی جاسکتی ہے، رسول اکرم ﷺ نے غیر مسلموں کی دعوت قبول فرمائی ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

((كان النبيُّ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ يُدْعَى إلى خُبْزِ الشَّعِيرِ والإِهالَةِ السَّنِخَةِ فَيُجِيبُ))3

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ عَلاَمَةِ حُبِّ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: ح، 2445

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ الْهَدِيَّةِ لِلْمُشْرِكِينَ، ح، 2619

[3] نور الدین، ابوالحسن، مسند احمد ابن مالک، (مصر: دار النوادر طبع اول، 1428) ح 1368

ترجمہ: ''ایک یہودی نے نبی کریم ﷺ کو جو کی روٹی اور بدبودار چربی کی دعوت دی آپ نے قبول فرمائی۔''

ایک اور حدیث ہے:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، " أَنَّ يَهُودِيَّةً أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ مَسْمُومَةٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا، ---))[1]."

ترجمہ:

''ایک یہودی نبی کریم ﷺ کیلئے بھنی بکری لے آئے نبی ﷺ نے اس سے کھالیا''۔

انہی روایات کی روشنی میں صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:

''یہودی اور نصرانی کی عیادت میں کوئی حرج نہیں ہے اس لیے کہ یہ ان کے حق میں ایک طرح کی بھلائی اور حسن سلوک ہے اس سے ہمیں منع نہیں کیا گیا ہے۔''[2]

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے غیر مسلم کے جنازے کا احترام کیا، غیر مسلم کی تعزیت کی اور انسانی ہمدردی کا اظہار کیا اور فرمایا کی یہ ایک سماجی اور اخلاقی تقاضہ ہے اور عین اسلام کی تعلیم ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ نے غیر مسلم کو دعا بھی دی اور انکی صحت اور خوشحالی کی تمنا بھی کی۔

اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور مزاج پرسی کی تعلیم دی گئی ہے، اس سے ہمدردی کا اظہار اور مریض سے یگانگت ہوتی ہے، اس کے بڑے فضائل آئے ہیں، مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم کی عیادت کا بھی یہی حکم ہے، حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہوا تو آپ ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لیے گئے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:

"ولا بأس بعيادة اليهودی والنصرانی لانه نوع برفی حقهم وما نهينا عن ذلک"۔[3]

''یہودی اور نصرانی کی عیادت میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ان کے حق میں ایک طرح کی بھلائی اور حسن سلوک ہے، اس سے ہمیں منع نہیں کیا گیا ہے۔''

غیر مسلموں سے رواداری

یہی وجہ ہے کہ غیر مسلموں نے بھی آپ ﷺ کو غلبہ کی دعا تک دی ہے۔ جب شام فتح کیا تو مسلمانوں نے شام کے لوگوں سے جو عیسائی تھے ٹیکس وصول کیا لیکن اس کے تھوڑے عرصے بعد رومی سلطنت کی طرف سے پھر

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ قَبُولِ الْهَدِيَّةِ مِنَ الْمُشْرِكِينَ: ح، 2617،

[2] المرغینانی، ابی الحسن علی بن ابی بکر، البدایہ فی شرح ہدایۃ، (بیروت لبنان: دار الکتب العلمیہ، طبع اول، س ن) کتاب الکراہیۃ، 380/4

[3] ہدایہ : ۲۷۴/۴

جنگ کااندیشہ پیدا ہو گیا جس پر شام کے اسلامی امیر حضرت ابو عبیدہ نے تمام وصول شدہ ٹیکس عیسائی آبادی کو واپس کر دیااور کہا کہ جنگ کی وجہ سے جب ہم تمہارے حقوق ادا نہیں کر سکتے تو ہمارے لئے جائز نہیں کہ یہ ٹیکس اپنے پاس رکھیں۔عیسائیوں نے یہ دیکھ کر مسلمانوں کو دعادی اور کہا" خدا کرے تم رومیوں پر فتح پاؤاور پھراس ملک کے حاکم بنو۔[1]"

جب حضورؐ نے خیبر فتح کیا تو یہود کی درخواست پر انہیں کاشتکاری کی اجازت دی۔جب فصل کٹنے کاوقت آیاتو حضورؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو وصولی کے لیے بھیجا تو آپ نے اس وقت کی فصل جو کہ کھجوریں تھیں دو حصوں میں برابر تقسیم فرمائیں۔اس پر انہوں نے کہا کہ آپ نے ہمیں ہمارے حصہ سے زیادہ تقسیم فرمارہے ہیں کیوں کہ ان کے اپنے اصول کے مطابق ان کا حصہ آدھا نہیں بنتا تھا لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ نے فرمایا تمہیں ضرور آدھی ہی ملیں گی کیوں کہ تم سے معاہدہ اسی طرح ہوا تھا۔اس پر وہ بے اختیار بول اٹھے کہ " هٰذَا الحَقُّ وَبِه تَقُومُ السَّمَاءِ وَالارضْ "کہ یہی حق ہے اور اسی سے آسمان وزمین قائم ہیں۔

غیر مسلم قیدی کے ساتھ حسن سلوک

قیدیوں کے ساتھ ظلم وستم کاعام رجحان ہے،وہ چونکہ کمزور اور ناتواں بن کر ماتحت بن جاتے ہیں،اس لیے ان کے ساتھ نازیباسلوک کیا جاتا ہے،اسلام نے اسے سختی سے منع کیا ہے،قرآن میں مسکینوں اور یتیموں کے ساتھ قیدیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی ہدایت دی گئی ہے،عہد نبوی ﷺ میں قیدی صرف غیر مسلم ہوا کرتے تھے،اس لیے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدی خواہ غیر مسلم ہو،اس کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے گا۔

صحابہ کرامؓ نے اپنے قیدیوں کے ساتھ جو حسن سلوک کیا،تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی،جنگ بدر میں جب ستر قیدی ہاتھ میں آئے اور آپ ﷺ نے مختلف صحابہ کرام کے درمیان ان کو دیکھ بھال کے لیے تقسیم کیا اور بہتر سلوک کی ہدایت دی تو صحابہ کرامؓ نے ان کے ساتھ حیرت انگیز حسن سلوک کا معاملہ کیا،خود بھوکے رہے یا روکھا سوکھا کھایا مگر انھیں اچھا کھلایا پلایا،ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر مقدم رکھا،خود تکلیف اُٹھا کر اپنے قیدیوں کو راحت پہنچائی جب کہ وہ حالت جنگ تھی اور ان ہی کفار کے ہاتھوں یہ ستائے گئے تھے یہاں تک ان کے مظالم کے سبب صحابہ کرام کو اپنا وطن چھوڑ دینا پڑا،ان سب کے باوجود غیر مسلموں کے ساتھ یہ رواداری اور بہتر سلوک سارے مسلمانوں کے لیے ایک نمونہ ہے، جس کے نقش قدم پر چلنا ہمارا نصب العین ہونا چاہیے۔

---

[1] ابو یوسف، کتاب الخراج (بیروت: دارالسلام للنشر والتوزیع 1428، طبع ثانی)، ص80

فصل سوم: حسن معاشرت کے اثرات

ایک معاشرہ جو اخلاقی اقدار اور بہترین معاشرتی خصوصیات کا حامل ہو تو پورے معاشرے پر مثبت اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہاں پر چند مثبت اثرات اور خوبیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو کہ بہترین اور اعلی اقدار والے معاشرے کے ساتھ لازم ہیں۔

ایک معاشرے پر حسن معاشرت کے اثرات مختلف طریقوں سے ہے۔

معاشرتی اثرات

وحدت نسل انسانی

اسلام وحدت نسل انسانی کا دعوت دینے والا ہے۔ اسلام انسانوں کے محدود تفرقہ کا قائل نہیں۔ اسلام ان کے درمیان رنگ و نسل، وطن اور زبان کی بنا پر فضیلت کو نہیں مانتا۔ قرآن کریم نے اس کا اصول کچھ یوں بیان کیا ہے۔

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا) 1

ترجمہ:

"اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جاندار سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔ اور تم خدا تعالی سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کیا کرتے ہو اور قرابت سے ڈرو۔"

اسلام نے امت مسلمہ کو اتحاد کا درس دیا ہے۔ ایک مقام پر نبی رحمت ﷺ نے سارے مسلمانوں کو ایک جسم کے مشابہ قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

((عَنْ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ، مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى[2]."))

---

[1] النساء: 1

[2] مسلم، صحیح مسلم، کتاب البِرِّ وَالصِّلَةِ وَالآدَابِ، باب تَرَاحُمِ الْمُؤْمِنِينَ وَتَعَاطُفِهِمْ وَتَعَاضُدِهِمْ، ح6586

ترجمہ:

''نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم مومنوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحمت و محبت کا معاملہ کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ لطف و نرم خوئی میں ایک جسم جیسا پاؤ گے کہ جب اس کا کوئی ٹکڑا بھی تکلیف میں ہوتا ہے تو سارا جسم تکلیف میں ہوتا ہے ایسا کی نیند اڑ جاتی ہے اور جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

رسول کریم ﷺ نے اپنی تعلیمات میں قرآن مجید کے فرمان کو ایک اچھے انداز میں بیان کیا ہے اس کی ہر جھلک دیکھنے کے لائق ہے اور اس پر عمل کرنا آج کے دور کی سخت ضرورت ہے۔

وحدت فکر

اجتماعی زندگی کے لیے جن اصولوں کی ضرورت تھی، تو اللہ تعالی نے انسان کو سمجھا دیے اسے جس بنیادی فکر کی ضرورت تھی اور جس رہنمائی کی ضرورت ہے اللہ تعالی نے سب کے سب مہیا کر دی۔ انسان نے اسے ضائع کر کے خاکے مرتب کرنا شروع کر دیئے، انسانوں کا باہمی فکری اختلاف ان کا اپنا پیدا کردہ ہے۔ اللہ تعالی نے انسان کو فکری اختلاف نہیں دیا بلکہ فکری وحدت عطا کی ہے۔ قرآن کے جامع الفاظ ہیں:

(كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ)[1]

ترجمہ:

''سب لوگ ایک ہی جماعت کی طرح ہیں، پس اللہ نے نبیوں کو بھیجا خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ لوگوں میں ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں باہمی اختلاف کرتے ہیں۔''

فکر انسانی میں وحدت پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالی نے آسمانی کتابیں اور اصول نازل کی ہیں۔ لوگوں کے دل اور ان کے دماغ اختلافات اور انتشار کی دلدل میں پھنس جائے تو آسمان کے روشنی سے سے کام لے کر وحدت فکر کی لڑی میں منسلک ہو جائے تمام انبیاء صرف اللہ تعالی کے عطا کردہ اصولوں کے دعوت دینے والے تھے، اور تمام اصول اسلام ہی کے اصول تھے لیکن ان کے نہ ماننے والے ان اصولوں کو چھوڑ کر اپنے اغراض اور خواہشات کے پیچھے دوڑ پڑے۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ[2]

---

[1] البقرہ:213

[2] آل عمران:19

ترجمہ:

''دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہے اور اہل کتاب میں جو اختلاف کیا تو ایسی حالت کے بعد کیا ان کو دلیل پہنچ چکی تھی محض ایک دوسرے سے بڑھنے کے سبب سے۔''

قیام امن

معاشرے کا مقصد امن قائم کرنا ہے جب تک معاشرے کے افراد امن و محبت کے ساتھ زندگی نہیں گزاریں گے۔اس وقت تک معاشرہ حقیقی معنوں میں حسن معاشرہ کہلانے کا مستحق نہیں ہوگا جب تک معاشرے کا نصب العین ہی امن کا قیام اور محبت کی فضا کو پیدا کرنا نہ ہو، معاشرے میں حقیقی امن جان، مال اور آبرو کی حفاظت سے قائم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے{وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ}[1]

ترجمہ:''اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ''

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

((قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " سِبابُ المسلم فُسُوقٌ وقِتالُه كُفْرٌ[2]))

ترجمہ:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جھگڑا کرنا کفر ہے''

عدل وانصاف اور مساوات

معاشرے میں رہنے والے مسلمانوں پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اقلیتوں سے نیکی انصاف اور حسن سلوک پر مبنی رویہ اختیار کریں اور یہی ایک معاشرے کا حسن ہے۔قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

{لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ}[3]

ترجمہ:

''اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے تم ان سے بھلائی کا سلوک کرو اور ان سے عدل وانصاف کرو بے شک اللہ

---

[1] الاسرا:33

[2] ترمذی، سنن ترمذی، کتاب البر والصلۃ عن رسول اللہؐ،باب سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ،ح1983

[3] الممتحنہ:8

عدل وانصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔"

ایک اسلامی اور بہترین معاشرے میں ہر فرد کو ہر قسم کی مساوات حاصل ہے نہ تو کسی کو دوسرے پر نسلی، قومی فوقیت حاصل ہے اور نہ کسی کو قانونی برتری، اسلامی معاشرہ میں تمام لوگوں کو یکساں حقوق حاصل ہوتے ہیں اور یہی ایک بہترین معاشرے کا حسن ہے معاشرے میں عدل وانصاف قائم رکھنے کے لئے سب لوگ اسلام اور قانون کی نظر میں برابر ہے امیر قانون شکنی کرتا ہے تو سزا پائے گا اور مجید نے اس بات کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام انسان برابر ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے:

{يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً}[1]

ترجمہ:

"اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔"

نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

"اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بیشک تمہارا باپ ایک ہے ہاں عربی کو عجمی پر، اور عجمی کو عربی پر سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے اعتبار سے۔"[2]

انسانی صلاحیتوں کی آبیاری

انسان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتیں ودیعت کر رکھی ہیں جو کہ ایک بہترین معاشرے میں نشوونما پاسکتی ہیں۔ جس طرح درخت کا ایک چھوٹا سا بیج ہوتا ہے اس بیج میں ہی شاخیں، تنے، پھول اور پھل وغیرہ بننے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے، لیکن جب اس کو وہ ماحول دے دیا جائے جو اس کی ضرورت کے مطابق ہو تو اس کی تمام صلاحیتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور وہ پھل دار درخت بن جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کے لئے ضروری ہے کہ اس کے لئے ایک ایسا سازگار ماحول ہو جس میں وہ اپنے سارے صلاحیتوں کو ظاہر کر سکیں وہ ماحول صرف ایک بہترین معاشرے میں آ سکتا ہے۔ پس معاشرہ کا ایک بہترین مقصد افراد کی صلاحیتوں کی آبیاری ہے۔

احساس ذمہ داری

اجتماعی شعور پیدا کرنے کے لئے اور اسے ذہن میں بیدار رکھنے اور موثر بنانے کے لیے اسلام نے جو اقدامات کئے ہیں ان میں سب سے اہم ایک فرد کے لیے احساس ذمہ داری کا ہے۔ ہر انسان کو اس بات کا احساس دلایا کہ وہ اپنے

---

[1] النساء: 1

[2] البخاري، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب حجۃ الوداع، ح 1445

گناہوں کا اکیلا ذمہ دار ہے جو سزا اسے ملتی ہے اسے کوئی اور نہیں اٹھائے گا۔ معاشرتی جرائم کی ایک سزا تو اجتماعی ہے جسے معاشرہ ہی نافذ کرتا ہے لیکن ایک اس کا انفرادی معاملہ ہے جو اللہ تعالی کے ساتھ ہے جسے اسی کو ہی نمٹانا ہے اور دوسرا اس میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں ہو گا لہذا اسے اپنی تمام تر ذمہ داریوں کا بھرپور احساس کرنا چاہیے اور اپنا فرض پورا کرنے اور احساس ذمہ داری پورا کرنے میں دوسروں کی طرف اسے نہیں دیکھنا چاہئے۔ احساس ذمہ داری کا ایک معاشرتی فائدہ تو یہ ہے کہ ہر ایک شخص اپنا احتساب خود کرتا ہے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرتا ہے اور اپنی برائیوں کو دوسرے کیلئے نمونہ نہیں بناتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گناہ اور نازیبا حرکات کا ارتکاب بہت کم ہوتا ہے اور اگر کوئی کرتا ہے تو اس میں اپنے آپ کو اجنبی اور گناہگار محسوس کرتا ہے اور اپنی اصلاح کی طرف مائل ہونے کی کوشش کرتا ہے۔

بہترین معاشرہ جذبہ خدمت پیدا کرتا ہے

بہتر معاشرہ انسان میں جذبہ خدمت پیدا کرتا ہے۔ اسلام نے خدمت خلق پر بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے کہ جب تک معاشرے کے افراد میں خدمت کا جذبہ نہ ہو تو اس وقت تک معاشرہ مستحکم بنیادوں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ میں خدمت خلق کے متعلق بہترین راہنمائی موجود ہے۔ اس ضمن میں دو آیتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے: {كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ}[1]

ترجمہ: ''تم بہترین مت ہو جو سارے انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کی گئی ہو''

ارشاد باری تعالی ہے:

((وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرً[2])

ترجمہ: ''اور اس کی محبت کی وجہ سے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

ضروریات زندگی کی تکمیل

بنیادی اور اہم مقصد مادی ضروریات کو پورا کرنا ہے نبی ﷺ کی حدیث ہے جو اس مقصد کی اہمیت ظاہر کرتی ہے کہ ''نبی ﷺ فرماتے ہیں قیامت کے دن اللہ تعالی انسان سے پوچھے گا، اے ابن آدم میں بیمار ہو گیا تھا مگر تو نے میری بیمار پرسی نہیں کی۔ بندہ حیران ہو کر پوچھا گا بھلا ایسا کیوں ہو سکتا ہے؟ اور تو تمام جہانوں کا خود پالنے والا ہے خدا فرمائے گا، کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہو گیا تھا تو نے اس کی خبر نہیں لی، اگر تو اس کی عیادت کے لئے

---

[1] آل عمران:11

[2] الانسان:76

جاتا ہے مجھے اس کے پاس پاتا۔اسی طرح اللہ تعالی فرمائے گا اے ابن آدم میں تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے نہیں کھلایا بندہ پوچھے گا بھلا ایسے کیسے ہو سکتا ہے ؟ میں تجھے کیسے کھلاتا تو خود رب العالمین ہے ! خدا فرمائے گا تجھے یاد نہیں کہ فلاں میرے بھوکے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے کھانا کھلانے سے سے کھانا کھلاتا ہے تو مجھے اس کے پاس بات ہے ایسے ہی خدا فرمائے گا اے ابن آدم میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تو نے مجھے نہیں پلایا بندہ عرض کرے گا بھلا ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ تجھے پیاس لگے تو خود پروردگار عالم ہے خدا فرمائے گا میرے فلاں پیاسے بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تم نے نہیں پلایا اگر تو اسے پانی پلا دیتا تو مجھے اس کے پاس پاتا"۔[1]

قرآن میں ارشاد باری تعالی ہے۔

(وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ)[2]

ترجمہ:"جو کوئی برا خیال کرتا ہے تو اس کا نقصان اسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔"

مذہبی اثرات

اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت انسان میں ذمہ داری کا احساس اور اطاعت کا جذبہ پیدا کرتی ہے جو کی کسی بھی معاشرے میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔اسلامی تعلیمات کی بنیاد توحید ہے یعنی اللہ تعالی کو اس کی ذات وصفات اور افعال میں ایک جاننا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور اللہ تعالی کی عبادت کرنا اللہ تعالی کے سوا تمام نقوش کو دل سے ختم کرنا۔اسلامی معاشرہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے تمام افراد صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں اسے کے سامنے نماز پڑھتے ہیں، سجدہ کرتے ہیں یہی وہ خصوصیت ہے کہ سارے مسلمانوں کے دلوں ایک بناتی ہے اور ایک متحد امت بناتی ہے۔دلوں میں محبت پیدا کرتی ہے اور اور بہترین معاشرہ تشکیل دیتی ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے۔(وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ3)

ترجمہ: میں نے جن اور انس کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

اللہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔(يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ،)[1]

---

[1]مسلم، صحیح مسلم، كِتَاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِ، باب فَضْلِ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ، ح6556

[2]الانعام:164

[3]الذاریات:56

ترجمہ ":اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور انہیں جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بنو۔

I. شرف اور احترام انسانیت

توحید چونکہ انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیتی ہے تو اس لئے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو ہر قسم کی غلامی سے نجات دلاتی ہے اس دور میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو توحید کا حقیقی علمبردار ہے۔ہندو مذہب آگ ہوا سورج اور پانی کی عبادت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ تمام معاشرے کو درجہ بندی کے ساتھ چار ذاتوں برہمن، کھشتری، ویش اور شودر میں تقسیم کیا ہے۔ان چار ذاتوں میں شودر کو نہایت ذلیل اور پنچ ذات تصور کیا جاتا ہے تو اس لیے ہندوازم نے انسانوں کے ایک حصے کو شرف انسانیت سے گرادیا ہے۔

عیسائیوں کے نزدیک ہر انسان پیدائشی طور پر گناہ گار ہے۔آدم علیہ السلام اور حوا علیہ السلام نے گناہ کیا اور وراثت میں ہر شخص کی فطرت میں یہ گناہ چلا رہا ہے جس کی وجہ سے وہ ہر شخص کو گناہگار قرار دیتے ہیں اور شرف انسانیت سے گرا کر ذلت میں پھینکتے ہیں۔احترام آدمیت جو کہ ایک معاشرے کا حسن ہوا کرتا ہے ان مذاہب نے اس کو بگاڑ کر کے رکھ دیا ہے۔ جبکہ مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی ایک واحد مذہب میں جو کہ شرف انسانیت کا علمبردار ہے اور انسانیت کو پوری کائنات پر برتری دی ہے۔

عظمت آدمیت کے متعلق اللہ فرماتا ہے:

{وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا}[2]

ترجمہ:

(ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ہم نے اس کو خشکی اور تری میں سواری دی اور ان کو اچھی چیزوں کا رزق دیا اور ہم نے ان کو بہت لوگوں پر جنہیں ہم نے پیدا کیا فضیلت دی ہے۔)

---

[1] البقرہ:21

[2] الاسرا:70

باب دوم

کتاب الادب کی روشنی میں انفرادی اخلاقیات اور حسن معاشرت

فصل اول: اللہ اور اس کے رسول سے تعلق اور حسن معاشرت

فصل دوم: انفرادی اخلاق حمیدہ اور حسن معاشرت

فصل سوم: انفرادی اخلاق رذیلہ اور حسن معاشرت

فصل اول

اللہ اور اس کے رسول سے تعلق اور حسن معاشرت

اسلام میں تمام عبادات اور معاملات کی بنیاد اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور رضامندی ہے۔ جو کہ انسانوں میں مادہ پرستی کو کم کرنے کا ایک بہترین سبب ہے۔ جبکہ اس کے برعکس معاشرتی برائیوں کی زیادہ تر سبب مادہ پرستی کا بڑھتا ہوا رجحان ہے۔ اس لئے معاشرتی سطح پر للہیت کے فروغ سے معاشرے میں موجود برائیوں پر آسانی سے قابو پایا جا سکتا ہے۔ ذیل میں اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور حسن معاشرت کی متعلق احادیث اور ان کی شرح ذکر کی جاتی ہے۔ نبی رحمت ﷺ کا فرمان ہے۔

((لَا يَجِدُ أَحَدٌ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ حَتَّى يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، وَحَتَّى أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ، وَحَتَّى يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا[1]))"

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا "کوئی شخص ایمان کی حلاوت (مٹھاس) اس وقت تک نہیں پا سکتا جب تک وہ کسی شخص سے محبت کرے تو صرف اللہ کے لیے کرے اور اس کو آگ میں ڈالا جانا اچھا لگے لیکن ایمان کے بعد کفر میں جانا اسے پسند نہ ہو، اور جب تک اللہ اور اس کے رسول سے اسے ان کے سوا دوسری تمام چیزوں کے مقابلے میں زیادہ محبت نہ ہو۔"

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

اللہ کے لئے محبت اور اللہ ہی کے لئے دشمنی رکھنا ایمان کا حصہ ہے اور جس کے نزدیک اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ تمام عالم سے محبوب تر ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا ایمان کامل ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حق اس کی ماں باپ اولاد بیوی اور تمام خاندان سے پہلے ہے، اس کے ذریعے وہ گمراہی سے ہدایت اور آگ سے خلاصی پاتا ہے۔[2]

مولانا سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

پہلے یہاں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کو ذکر کیا ہے جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت تمام

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب الحب فی اللہ، ح 6070

[2] عسقلانی، فتح الباری (ریاض: مکتبہ دار السلام 1419، طبع اول) کتاب الادب، باب الحب فی اللہ، 134/10

محبتوں پر غالب ہو گی تو ظاہری بات ہے کہ اللہ والوں سے جو محبت کی جائے گی وہ بھی خلوص پر مبنی ہو گی تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ آدمی کو کفر سے نفرت ہو جائے گی اسی لئے فرمایا کہ۔

"وان يكره ان يعود فى الكفر كما يكره ان يقذف فى النار"

''یعنی کفر کی طرف لوٹنے سے اس قدر ناپسندیدگی ہو گی اور ناگوار سمجھے گا جیسا کہ آگ میں پھینکے جانے کو ناگوار سمجھتا ہے۔''

اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب انسان کے دل میں اللہ تعالی اور نبی کریم ﷺ کی محبت اس قدر گھر کر جاتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ ہر چیز اس کے سامنے ہیچ اور بے حقیقت ہو جاتی ہے۔[1]

مادی ترقی کے دور میں انسان اپنی حقیقت اور مقصد کو بھول چکا ہے اس لئے انسان کے اعمال اور افعال میں کوتاہیاں ہیں۔ معاشرت کو بہتر بنانے کے لیے ابتدائی طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے تعلق بنانا ضروری ہے۔ کیونکہ جو کام اخلاص کی بنیاد پر بغیر کسی لالچ یا حرص کے کیے جاتے ہیں وہ دیرپا معاشرتی اثرات رکھتے ہیں۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔

إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا نَادَى جِبْرِيلَ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ، فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ، فَيُنَادِي جِبْرِيلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي أَهْلِ الْأَرْضِ[2]."

ترجمہ:

''ابوہریرہؓ نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے کہ اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ جبرائیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر وہ تمام آسمان والوں میں آواز دیتے ہیں کہ اللہ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے۔ تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔اس کے بعد وہ زمین میں بھی (اللہ کے بندوں کا) مقبول اور محبوب بن جاتا ہے۔''

مولانا سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالی جب کسی بندے کے ساتھ اس کی اطاعت اور بندگی کی وجہ سے محبت فرماتے ہیں تو مخلوق میں بھی وہ بندہ اللہ تعالی کے حکم اور فیصلہ کے مطابق محبوب بن جاتا ہے اللہ کی محبت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی اس کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں فرشتوں کے محبت اس کے لیے استغفار کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور لوگوں کی محبت وعقیدت تعلق کی صورت میں سامنے آتی ہے۔

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری (کراچی: مکتبہ فاروقیہ 2007،اول) کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان، 25/2، ح6055

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب الحب فی اللہ، ح6070

ان کے آیت کریمہ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

((اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا))[1]

ترجمہ: ''بے شک جو ایمان لائے اور نیک کام کیے عنقریب رحمان ان کے لیے محبت پیدا کرے گا۔''

محبت کی تین قسمیں ہیں: الٰہی روحانی اور طبعی۔ حدیث باب تینوں پر مشتمل ہے۔ اللہ کا بندے سے محبت کرنا حب الٰہی ہے جبریل علیہ السلام اور فرشتوں کا اس بندے سے محبت کرنا روحانی اور لوگوں کا اس کے ساتھ محبت کرنا طبعی کہلاتا ہے لیکن بندوں کی وہ محبت معتبر ہے جو اہل علم اور فضل کے ہاں میں پائی جاتی ہے اگر کوئی شخص فاسق فاجر لوگوں کے ہاں محبوب ہوتا ہے اور اہل علم و فضل کے حق محبوب نہیں ہوتا تو اس محبت کا کوئی اعتبار نہیں۔[2]

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

اخلاق عالیہ میں سے یہ بات ہے کہ جس شخص سے یا کسی چیز سے آدمی محبت کرے صرف اللہ تعالی کے لیے کرے ،اللہ ہی کی خوشنودی اور اللہ تعالی کی رضامندی پیش نظر ہو، کوئی نفسانی یا دنیاوی مفاد پیش نظر نہ ہو۔ حدیث میں ہے کہ ایمان کی چاشنی اسی وقت محسوس ہوتی ہے جب کسی سے صرف اللہ کے لیے محبت ہو اور کفر کی طرف پلٹنے کو آگ میں ڈالے جانے کے مترادف سمجھے اور اللہ تعالی کے رسول ﷺ سے محبت ہر چیز سے زیادہ ہو جائے جب یہ تین باتیں حاصل ہو تو ایمان میں مزہ آتا ہے۔[3]

معاشرتی برائیاں تب جنم لیتی ہیں جب دوسروں کے لئے دل میں وقعت مرتبہ اور محبت ختم ہو جائے۔ معاشرت کو بہتر بنانے کے لئے کہ ہر ایک فرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ انسانیت سے محبت کرے۔ جب کسی معاشرے میں محبت والا عنصر پیدا ہو جاتا ہے تو ایک بہترین معاشرہ اور قابل تقلید معاشرہ بن جاتا ہے۔ اور انسانیت سے محبت تب ہی ممکن ہے جب اللہ تعالی سے مضبوط تعلق اور بہترین محبت ہو، اور جب للہ تعالی کے ساتھ محبت ہو تو انسان معاشرے میں نمایاں نظر آئے گا۔

حدیث مبارکہ ہے۔

((ماذا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِي أَهْلِهِ؟ قَالَتْ عائشه رضى الله عنها:" كَانَ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ))[4]

---

[1] مریم:96

[2] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب، باب المقۃ من اللہ تعالی،22/415ح6069

[3] پالن پوریؒ، سعید احمد، تحفۃ القاری (دیوبند: مکتبہ حجاز، طبع اول 1432،) کتاب الادب، باب الحب فی اللہ، ج11/84، ح6041

[4] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب کیف یکون الرجل فی اھلہ، ح6068

ترجمہ:

"عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟ فرمایا نبی کریم ﷺ اپنے گھر کے کام کاج کرتے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لیے مسجد تشریف لے جاتے تھے۔"

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ گھر کے کام کاج سب کچھ خود کیا کرتے تھے اس کو امام ترمذی نے شمائل میں اور ابن سعد نے عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ لوگوں سب سے کریم اور نرم تھے ابن بطالؒ نے فرمایا کہ پیغمبروں کے اخلاق اور عادات میں سے تواضع کرنا ہے اور نفس کو ذلیل کرنا ہے اللہ تعالی کے احکام کی پیروی کی جائے اور جو مذموم اشیاء ہیں ان سے بچا جائے۔[1]

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

روایت میں ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی ﷺ کیا کرتے تھے؟ فرمایا کہ کام کاج میں مصروف رہتے ہیں اور جب نماز کا وقت تو ہو جاتا تو نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے۔ انبیاء کے اخلاق میں تواضع اور عاجزی داخل ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اپنے پیش آنے والی تمام ضروریات کو خود پورا کرتے ہیں تاکہ ان کا عمل دوسرے کے لئے سنت اور اسوہ بن سکے اور لوگ ان کے طریقوں پر چل سکے اور ان کے نقش قدم کی اتباع کر سکیں۔[2]

لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ گھر کے کام کاج میں مدد کرنا اور ہاتھ بٹھانا اپنی توہین اور عزت میں کمی سمجھتے ہیں۔

اسی طرح باہر کے کام کاج کو اپنی ذمہ داری اور گھر کے کام کو صرف بیوی کی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ اپنے گھر والوں کی مدد اور کام کاج میں ہاتھ بٹھانا ایک بہترین معاشرے کیلئے بنیادی قدم ہے۔ جیسا کی نبی ﷺ کے اسوہ مبارک سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ گھر میں ازواج مطہرات کی مدد کیا کرتے تھے۔

نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

((عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ:" الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ))[3]

---

[1] ابن حجر، فتح الباری، کتاب الادب، بَابُ كَيْفَ يَكُونُ الرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ، ج566/10ح:5589

[2] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب،، بَابُ كَيْفَ يَكُونُ الرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ، 412/22،ح5692

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ عَلاَمَةِ حُبِّ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ:ح6198

باب کی اگلی احادیث کچھ الفاظ کی زیادتی کے ساتھ ذکر ہیں، پہلی حدیث(فَقَالَ رجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ تَقُولُ فِي رَجُلٍ أَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ؟) کی زیادتی جبکہ دوسری حدیث میں قِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَمَّا يَلْحَقْ بِهِمْ کی زیادتی اور تیسری میں قَالَ:" أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ کی زیادتی ہے۔

ترجمہ:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "انسان اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔""

علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:

کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ احادیث کے ترجمہ میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالی کی محبت بندے کے ساتھ اور بندے کی محبت اللہ تعالی کے ساتھ، یابندوں کی آپس میں محبت جو اللہ تعالی کے لئے ہو۔ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ جو بندہ دوسرے سے اس لیے محبت کرے کہ اس میں صرف اللہ تعالی کی رضامندی ہو تو اللہ تعالی ان دونوں کو جنت میں اکٹھے کریں گے اگرچہ ان کے اعمال میں کوتاہی ہو۔اور جب بندہ کسی سے اللہ تعالی کی اطاعت اور اللہ تعالی کی فرمانبرداری کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کی نیت کی وجہ سے اس کو بھی ثواب پہنچاتے ہیں۔[1]

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

محبت کی تین صورت بن سکتی ہے اللہ تعالی کی لوگوں کے ساتھ محبت لوگوں کی اللہ تعالی سے محبت اور اللہ تعالی کے لیے دوسرے لوگوں سے محبت کرنا۔ علامہ کرمانی نے تین احتمالات ذکر کئے ہیں ہے آیت کریمہ (قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی)سے مراد دو صورتیں معلوم ہوتی ہیں،ایک یہ کہ اللہ تعالی کی بندے سے محبت اور بندے کی اللہ تعالی سے محبت لیکن روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر بندے کی اللہ تعالی سے محبت مراد ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اور روایت کے درمیان مناسبت کچھ ایسی ہو گی کہ اللہ تعالی سے محبت رسول کریم ﷺ کی اتباع کے بغیر نہیں ہے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اتباع رسول اور نبی کریم ﷺ کی سنتوں کی پیروی ہے تاہم اس کے لئے دل کے اندر رسول سے محبت رکھنا بھی ضروری ہے تب ہی معیت حاصل ہو گی۔

دنیا کی محبت کی وجہ سے ہم نیک لوگوں کی صحبت اور محبت بھول بیٹھے ہیں۔اور نیک لوگوں سے دوری ہمیں دین سے دوری کی طرف لے جاتی ہے۔ محبت کا تعلق دل سے ہے نیک لوگوں کے ساتھ اللہ کیلئے محبت پر بھی اللہ تعالی اجر دیں گے اس لیے اس چیز کا تعلق نیت سے ہے اور اس کی نیت اللہ تعالی کے ساتھ محبت کرنا ہے۔اسی طرح ایک آدمی ابوذر رضی اللہ انہوں یا ابو موسی اشعری تھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر فرمانے لگے کہ ایک آدمی کسی قوم سے محبت کرتا ہے لیکن علم و فضل اور عمل میں ان کے برابر نہیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا آدمی جس کے ساتھ محبت کرتا ہے آخرت میں اسی کے ساتھ ہو گا۔[2]

---

[1] عینی،امام بدرالدین، عمدہ القاری (بیروت: دارالکتب العلمیہ 1428، طبع اول) کتاب الادب، بَابُ عَلاَمَةِ حُبِّ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ:،73/22،ح6168،

[2] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب،، بَابُ كَيْفَ يَكُونُ الرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ22/590،ح5817تا5819

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

ذکر کردہ احادیث کی روشنی میں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت تین قسم کی ہوتی ہے بندے کی محبت اللہ تعالی کے ساتھ اللہ کی محبت بندے کے ساتھ یا بندوں کا آپس میں محبت رکھنا اللہ تعالی کے واسطے اور یہ محبت ایسی ہونی چاہیے کہ اس میں کوئی ریاکاری نہ ہو، لیکن آیت (قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ) سے مراد پہلی دو قسم کی محبت ہیں یا اللہ تعالی کے بندے کے ساتھ محبت اور بندے کی اللہ تعالی کے ساتھ محبت، جو آدمی ایک فرمانبردار اور نیک آدمی کے ساتھ اس لئے محبت کرتا ہے کہ اس کے اور اس اللہ تعالی کے درمیان تعلق بہت زیادہ ہے اور اس کی محبت دل سے ہے اور اس کی نیت ثواب کی ہے تو اللہ تعالی محبت کرنے والے کو اس پر جو کہ اس کی نیت ہے ثواب سے نوازتا ہے کیونکہ نیت اصل ہے اور اور لازم نہیں ہے کہ محب اور محبوب دونوں درجے میں برابر ہو درجے میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالی سے محبت رکھتے ہیں تو اللہ تعالی نے ارادہ کیا کہ ان کے قول کی تصدیق ان کے عمل معلوم کرنے لگے تو یہ آیت اتار دی۔ تفسیر ضحاک میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ قریش کے حق میں اتری تھی انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں اللہ تعالی کی محبت کے واسطے کہ وہ ہمیں اللہ تعالی کے قریب کر دیتے ہیں۔[1]

دنیا کی محبت کی وجہ سے ہم نیک لوگوں کی صحبت اور محبت بھول بیٹھے ہیں۔ اور نیک لوگوں سے دوری ہمیں ہمیں دین سے دوری کی طرف لے جاتی ہے۔ آدمی جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اس کے عادات واطوار اور اخلاق بھی اسی کی طرح ہو جاتی ہیں اسی لیے حدیث میں کہا کہ (المرء مع من احب) کہ آدمی اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا یعنی محبوب کی جو عادات واطوار ہوں گی وہی عادات و اطوار محب کی بھی ہونگی، اللہ تعالی کے ساتھ بہترین تعلقات رکھنے والا معاشرے میں بھی اپنے تعلقات بہترین رکھ پاتا ہے اور معاشرے میں بہترین کردار ادا کرتا ہے اللہ تعالی سے محبت رکھنے والا آدمی جس طرح اپنی زندگی کو خوبصورت گزارتا ہے اور اپنی زندگی کے افعال و عادات واطوار میں انصاف سے کام لیتا ہے تو معاشرے میں بھی وہاں سے انہیں عادت کی وجہ سے اور اللہ تعالی اور رسول کریم ﷺ کے اوامر کی وجہ سے بہترین تعلق رکھتا ہے اور اہم کردار ادا کرتا ہے۔

[1] ابن حجر، فتح الباری، کتاب الادب بَابُ عَلاَمَةِ حُبِّ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، 40/14ح:6171

فصل دوم

انفرادی اخلاق حمیدہ اور حسن معاشرت

اجتماعی افعال کے علاوہ انسان بہت سارے انفرادی افعال بھی سر انجام دیتا ہے،اسلام فرد کی تربیت کا اہتمام کرتا ہے اور افراد سازی کی اہمیت بیان کرتا ہے۔ نبی ﷺ نے بنیادی طور پر افراد سازی کی اور افراد کے اخلاق کو سنوارا۔ انسان کے انفرادی اخلاق کا زندگی میں بڑا عمل دخل ہے اور انفرادی طور پر بہترین اخلاق کا حامل انسان اجتماعی خصوصیات کا بھی حامل ہوتا ہے۔ نبی رحمت ﷺ فرماتے ہیں۔

:" اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ[1]."

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جہنم سے بچو۔خواہ آدھی کھجور ہی(کسی کو) صدقہ کر کے ہو سکے اور اگر کسی کو یہ بھی میسر نہ ہو تو اچھی بات کر لے۔"

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

نرم بات دل کو خوش کرتی ہے اور اگر وہ دینی بات ہو تو پھر ثواب بھی ہے اور دل کو خوش کرنے والے ہو گی نبی کریم ﷺ نے خوش کلامی کا تذکرہ کیا ہے اور اس کی اہمیت بتاتے ہوئے کہا کہ اگر معمولی صدقہ کر سکو تو معمولی صدقہ دیا کرو اور اگر صدقہ دینے کی بھی استطاعت نہ ہو تو اچھی بات کہا کرو اس سے آپ دوزخ سے بچ سکو گے۔[2]

ابن حجرؒ فرماتے ہیں: اس سے مراد طیب[3] ہے۔ابن بطال نے کہا کہ ان کا کلام بڑا نیک عمل ہے اللہ تعالی کے اس قول کی وجہ سے کہا(ادفع بالتی ہی احسن) عمدہ کلام سے ویسے بھی لذت محسوس ہوتی ہے لیکن اگر وہ دینی کلام ہو اور ساتھ عمدگی ہو تو پھر مزہ دوگنا ہو جاتا ہے۔[4]

اس دور میں نرمی اور طریقہ سے بات کرنے کا رواج جاتا رہا ہے۔انسان نے دنیاوی کاموں اور ضروریات کو ترجیح بنایا ہوا ہے۔ضروریات زیادہ ہیں اور وسائل کم ہیں،اس لئے جب وہ ضروریات پوری نہ ہو تو انسان ذہنی تناؤ اور ٹینشن کا شکار رہتا ہے۔اسی وجہ سے وہ بدزبانی بھی کرتا ہے اور بدکلامی بھی کرتا ہے۔

---

[1] بخاری،الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ طِيبِ الْكَلَامِ،ح6052

[2] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ طِيبِ الْكَلَامِ، 75/11،ح6023

[3] طیب: وہ چیز ہے جس سے حواس کو لذت آئے۔

[4] ابن حجر، فتح الباری، کتاب الادب، بَابُ طِيبِ الْكَلَامِ، 551/10،ح6023

انسان کی شخصیت کا اندازہ اس کے تکلّم کے انداز سے ہوتا ہے تکلم دیکھ کر سامنے والا انسان اسی کے تکلّم کے مطابق برتاؤ بھی کرتا ہے۔ بات جتنی بھی کڑوی ہوا گر اسے محبت اور نرمی کے انداز سے بتایا اور سمجھایا جائے تو دلوں پر اثر کرتی ہے، اور اگر بات بھی اچھی ہو اور اگر اسے اچھے انداز سے بھی کیا جائے تو یہ بات دلوں میں گھر کر جاتی ہے۔ نرمی اور بہتر طریقہ سے کلام کرنا انسان کے لیے ایک بہترین صفت ہے اگر کسی کو ان بات کرنے کی سمجھ بوجھ اور اسے احسن طریقے سے سمجھانے کی کی صلاحیت ہو تو معاشرے میں اس کو گران قدر نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اس کی بات کو سنا اور مانا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

((دَخَلَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُودِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا: السَّامُ عَلَيْكُمْ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَفَهِمْتُهَا فَقُلْتُ: وَعَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ، قَالَتْ: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" مَهْلًا يَا عَائِشَةُ، إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ"[1]))

ترجمہ:

”نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا »السام علیکم.) «تمہیں موت آئے (عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں اس کا مفہوم سمجھ گئی اور میں نے ان کا جواب دیا کہ »وعلیکم السام واللعنة.) «یعنی تمہیں موت آئے اور لعنت ہو۔) اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ٹھہرو، اے عائشہ! اللہ تعالیٰ تمام معاملات میں نرمی اور ملائمت کو پسند کرتا ہے۔“

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نرمی والے کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نرمی کو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والے کو نوازتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ اگر کسی چیز میں نرمی ہو تو اس کو زینت والا بناتی ہے اور اگر کسی چیز میں سختی ہو تو اس کو ناقص کر دیتی ہے، مسلم کی روایت میں ہے کہ جو نرمی سے محروم ہوا، وہ ہوا وہ سارے خیر سے محروم کر دیا گیا یا اور جس کو نرمی مل گئی تو اس کو خیر میں سے بڑا حصہ مل گیا۔[2]

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

نرمی ہر معاملے کو مزین اور آسان کرتی ہے اور سختی آسان معاملے کو خراب کرتی ہے اس لیے ہمیں ہر معاملے میں

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ الرِّفْقِ فِي الأَمْرِ كُلِّهِ، ح6053

[2] عسقلانیؒ، فتح الباری، کتاب الادب، بَابُ الرِّفْقِ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ، 572/13، ح6025

نرمی برتنی چاہیے یہود کی ایک جماعت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئی اور انہوں نے کہا اسام علیکم حضرت عائشہؓ نے ان کی شرارت کو سمجھ لیا اور انہوں نے سلام کرنے والے پر لعنت بھیجی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا عائشہ صبر سے کام لو بے شک اللہ تعالی صبر کو پسند کرتے ہیں۔[1]

اسلامی شاعر خصوصیات سے دوری، مادی اشیاء میں حد درجہ محبت اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے دوسروں کے حقوق کی پامالی سے دریغ نہیں کرتا۔ کسی بھی چیز کی نرمی اور اس میں شائستگی اس کو خوبصورت بناتی ہے جب کہ سختی اس چیز کو بدصورت اور بدنما بنادیتی ہے، اگر انسان بات ایک طریقہ اور سلیقہ سے کرے تو انسان پر وقار بھی لگتا ہے اور اس کی بات میں وزن بھی ہوتا ہے جبکہ وہی بات اگر انسان نرمی اور بہتر طریقے سے نہ کرے تو اس کی بات میں اثر نہیں ہوتا یہ بھی حسن معاشرت کا ایک لازمی جز ہے کہ انسان احسن طریقہ سے اور شائستگی سے بات کریں۔

نبی ﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے۔

((أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَامُوا إِلَيْهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" لَا تُزْرِمُوهُ"، ثُمَّ دَعَا بِدَلْوٍ مِنْ مَاءٍ فَصُبَّ عَلَيْهِ[2]."))

ترجمہ:

"ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا۔ صحابہ کرام ان کی طرف دوڑے لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے پیشاب کو مت روکو۔ پھر آپ نے پانی کا ڈول منگوایا اور وہ پیشاب کی جگہ پر بہادیا گیا۔"

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

ایک اعرابی مسجد میں پیشاب کرتا ہے حالانکہ یہ بہت قبیح عمل ہے لیکن اس دیہاتی کی انجانے اور علم نہ ہونے کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے اس پر بالکل سختی نہ کی اور جب وہ چلا گیا تو نبی کریم ﷺ نے مسجد صاف کروائی۔[3]

عدم برداشت کی وجہ سے چھوٹی چھوٹی غلطیاں بھی معاف نہیں کی جاتی ہیں، اور بے عزتی کو لوگ اپنا حق سمجھ کر اخلاق حسنہ کو ترک کرتے ہیں۔ بے جا سختی اور لعنت و شتم سے لوگ متنفر اور دین بے زار ہو جاتے ہیں جبکہ نرمی اور محبت سے سے نفرت کرنے والے لوگ بھی مائل اور محبت کرنے والے بن جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا دیہاتی کو ایک قبیح عمل پر کچھ نہ کہنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انجانے میں کسی سے کوئی غلطی یا گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر ملامت اور لعنت و شتم نہیں بلکہ اس کو محبت سے سمجھانا چاہیے۔

---

[1] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ طِيبِ الْكَلَامِ، 76/11، ح6025

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ الرِّفْقِ فِي الأَمْرِ كُلِّهِ، ح6054

[3] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلاَ مُتَفَحِّشًا، 78/11، ح6029

اللہ کا رسول ﷺ فرماتے ہیں۔

((ان رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمْ يَكُنْ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَقَالَ:" إِنَّ مِنْ أَخْيَرِكُمْ أَحْسَنَكُمْ خُلُقًا[1]))

ترجمہ:

"معاویہ رضی اللہ عنہ نے رسول ﷺ کا ذکر کیا اور بتلایا کہ نبی کریم ﷺ بد گو نہ تھے اور نہ آپ بدزبان تھے اور انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ آدمی ہے، جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔"

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

امام خطابیؒ فرماتے تھے کہ اس حدیث نے علم اور ادب کو جمع کیا ہے، حضرت محمد ﷺ نے بعض مکروہ اور برے کاموں کی نشاندہی کی ہے اور اپنی امت کو تعلیم دی ہے کہ ان سے بچا جائے، چونکہ حضرت محمد ﷺ اس امت پر سب سے زیادہ رحیم اور سب سے زیادہ غم کھانے والے ہیں تو امت کی اصلاح کے لئے ایک پیغمبر کے فرض منصبی میں سے ہے کہ وہ لوگوں کا حال معلوم کرے اور لوگوں کو ان کی غلطیوں کی نشاندہی کرے اور ان سے منع کرے۔[2]

تربیت میں کمی کے باعث بچوں میں برے صفات آتے ہیں۔ والدین کی بے احتیاطی سے بچے اخلاقی انحطاط کے شکار ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں غلط بات اور فحش گو لوگوں کی نکیر فرمائی ہے، اور نبی ﷺ اس سے احتراز کیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین حسن اخلاق والا بندہ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ فحش گو اور اور غلط باتیں کرنے والا انسان ایک اخلاقی برائی میں مبتلا ہے، اور یہ ایک برا وصف ہے جو کہ انسانی زندگی میں بگاڑ پیدا کرتا ہے۔

حدیث مبارکہ ہے

((قَالَ:" لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبابا وَلَا فَحَّاشًا وَلَا لَعَّانًا، كَانَ يَقُولُ لِأَحَدِنَا عِنْدَ الْمَعْتِبَةِ: مَا لَهُ تَرِبَ جَبِينُه[3]))

ترجمہ:

"رسول اللہ ﷺ نہ گالی دیتے تھے نہ بدگو تھے نہ بدخو تھے اور نہ لعنت ملامت کرتے تھے۔ اگر ہم میں سے کسی پر ناراض ہوتے اتنا فرماتے اسے کیا ہو گیا ہے، اس کی پیشانی میں خاک لگے۔"

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلاَ مُتَفَحِّشًا، ح6058

[2] عسقلانیؒ، فتح الباری، کتاب الادب، بَابُ الرِّفْقِ فِي الأَمْرِ كُلِّهِ بَابُ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلاَ مُتَفَحِّشًا، 572/13، ح6025

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلاَ مُتَفَحِّشًا، ح6059

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

حدیث میں نبی کریم ﷺ کے ناخوشگواری کے وقت کے رویے اور برتاؤ کا ذکر ہے کہ نبی ﷺ نے زندگی میں کبھی بھی لعنت نہیں کی اور نہ کسی سے بد اخلاقی سے پیش آئے بلکہ اظہار ناراضگی اور شدید غصے کے وقت بھی صرف یہ کرتے تھے یہ کہتے تھے کہ اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔اس سے نبی ﷺ کی شفقت و محبت ظاہر ہوتی ہے۔[1]

بد اخلاقی، گالی، سب و شتم کی وجہ عدم برداشت ہے۔ایسی حالت میں زبان پر قابو نہیں رہتا۔اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے برداشت اور تحمل کا ذکر ہے نبی کریم ﷺ عام حالات میں نبی کریم ﷺ انتہائی بردبار اور متحمل ہوتے تھے لیکن جب شدید غصہ بھی آتا تھا تو بھی سخت الفاظ، لعنت اور ملامتی سے احتراز کیا کرتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

((فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ:" مَتَى عَهِدْتِنِي فَحَّاشًا، إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللَّهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ شَرِّهِ۔))[2]

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ! تم نے مجھے بدگو کب پایا۔ اللہ کے یہاں قیامت کے دن وہ لوگ بد ترین ہوں گے جن کے شر کے ڈر سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔"

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

غلطیوں کی نشاندہی کرنے کا اور لوگوں کو اس سے بچنے کی ترغیب کا حکم کوئی خاص حکم نہیں ہے بلکہ یہ ہر بندے کے لئے عام ہیں کہ جو بندہ کسی کی حال پر خبردار ہو اور وہ ڈر جائے کہ وہ اس کام کی وجہ سے کسی گناہ میں مبتلا ہوگا تو اس پر لازم ہے کہ اس کو اطلاع کرے۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اہل حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ اس بندے کے عیوب جاننا جائز ہیں جو فسق و فجور اور فحش کو پھیلانے والا ہوں تاکہ لوگ اس کے حال سے واقف ہوں اور اس کی اتباع نہ کرے اسی طرح جب نبی کریم ﷺ نے کفار کے ساتھ نرمی کی تو یہ بطور تالیف قلوب کی ہے۔[3]

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

ترمذی کی روایت میں ہے کہ بعض لوگ بے ہودہ باتیں کرنے کے عادی ہوتے ہیں اور بعض لوگ بے تکلف مجلس کے خوش گپیوں کے لئے بے ہودہ باتیں کرتے ہیں تو یہ دونوں فحش گوئی میں آتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ دونوں سے

---

[1] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلاَ مُتَفَحِّشًا، 78/11، ح6029

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلاَ مُتَفَحِّشًا، ح6061

[3] عسقلانیؒ، فتح الباری، کتاب الادب، بَابُ الرِّفْقِ فِي الأَمْرِ كُلِّهِ بَابُ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلاَ مُتَفَحِّشًا، 572/13، ح6025

احتراز کیا کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے بداخلاقی اور بد زبانی کی حوصلہ شکنی کی اور اس کے گناہ کے بارے میں بتایا کہ قیامت کے دن سب سے بدترین شخص وہ ہوگا جس کو لوگ اس کے شر سے بچنے کے لیے چھوڑ دے یعنی بد اخلاقی کی وجہ سے ملنا جلنا ترک کر دے اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ہر آنے والے کے ساتھ نرمی سے بات کی تھی تاکہ وہ صلاح سے محروم نہ ہو۔[1]

اس معاشرے میں موبائل، ٹی وی اور دوسرے آلات میں فلم بینی، ڈرامے وغیرہ سے آج کا نوجوان غلط رخ پر جارہا ہے اور انہی چیزوں سے سیکھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے حسن اخلاق اور حسن معاشرت کے پیکر تھے نبی کریم ﷺ نے زندگی بھر کوئی ترش بات اور کوئی اور اخلاق سے گری ہوئی بات نہیں کی۔ احادیث ہمیں حسن اخلاق اور حسن معاشرت کو اپنانے کی تاکید کرتے ہیں۔ حسن کلام اور بات کرنے کا خوبصورت انداز حسن معاشرت کا ایک لازمی جز جبکہ بدکلامی، جھگڑا، قتال، گالی اور معاشرے کے سکون کے تباہی کا سبب بنتے ہیں ہیں اور قتل و قتال اور لڑائی اور جھگڑوں کا سبب بنتے ہیں۔

حدیث مبارکہ ہے۔

((أَنَسٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ:" خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ، فَمَا قَالَ لِي أُفٍّ وَلَا لِمَ صَنَعْتَ وَلَا أَلَّا صَنَعْتَ[2]."))

ترجمہ:

"انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال[3] تک خدمت کی لیکن آپ نے کبھی مجھے اف تک نہیں کہا اور نہ کبھی یہ کہا کہ فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہیں کیا۔"

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے حضرت انسؓ کو دنیاوی کاموں میں کبھی بھی نہیں ڈانٹا اور نہ پوچھا کہ کیوں نہیں کیا؟ اور دینی کاموں میں نبی ﷺ نے کبھی تسامح اور چشم پوشی سے کام نہیں لیا۔[4]

---

[1] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلاَ مُتَفَحِّشًا، 78/11، ح6029

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَالسَّخَاءِ، وَمَا يُكْرَهُ مِنَ الْبُخْلِ ح6067

[3] یہاں بخاری شریف کی روایت میں دس سال جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں نو سال کا ذکر ہے ان دونوں میں تطبیق ہوسکتی ہے کہ خدمت نو سال اور چند ماہ ہے لیکن دس والے روایت میں اضافی کسر کو حذف کیا۔

[4] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَالسَّخَاءِ، وَمَا يُكْرَهُ مِنَ الْبُخْلِ 407/2، ح5678

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

جو چیز فوت ہو جائے تو اس پر پوچھ گچھ اور ملامت کرنے کا ترک اس حدیث سے لازم آتا ہے کیونکہ اس پر ملامت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔اس طرح خادم وغیرہ کے ساتھ نرمی کا حکم اس حدیث کے ذریعے دیا گیا ہے ہے اور یہ حکم عام کاموں کے متعلق ہے جو اعمال لازم ہیں شرعی طور پر اس میں کوئی نرمی نہ کی جائے۔[1]

ماتحت اور ملازمین کے ساتھ بداخلاقی، بدزبانی اور بدگوئی کی بڑی وجہ ان کو کمتر اور کمزور خیال کرنا ہے۔حدیث مبارکہ سے نبی کریم ﷺ کا غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا درس دیا گیا ہے۔وہ کام جو شرعاً لازم نہیں اور جن کا آخرت میں پوچھ گچھ نہیں ہے ماتحتوں کے ساتھ ان میں نرمی کرنا نبی کریم ﷺ کے اس عمل سے ثابت ہے کہ انہوں نے انسؓ کو دس سال تک اف نہیں کہا اور ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔

حدیث مبارکہ ہے۔

((جَابِرًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ:" مَا سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شَيْءٍ قَطُّ فَقَالَ: لَا[2]."))

ترجمہ:

"جابر رضی اللہ عنہ سے سنا،انہوں نے بیان کیا کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے کوئی چیز مانگی ہو اور آپ نے اس کے دینے سے انکار کیا ہو۔"

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ سے جب بھی کوئی چیز طلب کی جاتی ہے اگر وہ دنیاوی چیز ہوتی تو کبھی بھی نبی کریم ﷺ "لا" نہیں فرماتے بلکہ اگر دینی چیز بھی ہوتی تو نبی ﷺ "جی ہاں" کہہ دیتے،اور اگر کسی عذر کی وجہ سے نہیں دے سکتے تھے تو خاموش ہو جاتے تھے اور کبھی "نا" نہیں کہتے تھے اور ابن سعد کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے۔[3]

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

حضرت محمد ﷺ سے جو چیز طلب کی جاتی تھی تو وہ "ناں" نہیں کرتے تھے اگر وہ چیز ان کے پاس ہوتی تھی تو دے دیتے اگر نہ ہوتی تو خاموش رہتے تھے۔یہ ان کی سخاوت پر دلیل ہے۔

عام طور پر لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ سخاوت اور مال کے خرچ کرنے سے ان کی دولت کم ہو جائے گی۔سخی شخص

1ابن حجرؒ، فتح الباری، کتاب الادب، بَابُ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَالسَّخَاءِ، وَمَا يُكْرَهُ مِنَ الْبُخْلِ 13/854-853ح:6033-6038

2بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب،، بَابُ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَالسَّخَاءِ، وَمَا يُكْرَهُ مِنَ الْبُخْلِ، ح6063

3سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَالسَّخَاءِ، وَمَا يُكْرَهُ مِنَ الْبُخْلِ2/407ح5678

لوگوں کی نظروں میں گراں قدر اور قابل عزت ہوتا ہے،اس کی بات سنی اور مانی جاتی ہے۔اسی طرح سخاوت سے ایک معاشرہ بہترین روش میں چلتا ہے۔ایک معاشرے میں کسی طبقہ کی غربت اور لاچاری ان لوگوں کو احساس کمتری کا شکار بنادیتی ہے اور احساس کمتری ایک معاشرے میں رہنے والے امیر اور غریب کے درمیان فاصلہ پیدا کرتی ہے۔یہ احساس کمتری دوسرے لوگوں کی سخاوت سے ختم ہو جاتی ہے۔

حدیث شریف ہے۔

((جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبُرْدَةٍ، ------ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَكْسُوكَ هَذِهِ، فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا فَلَبِسَهَا، فَرَآهَا عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنَ الصَّحَابَةِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَحْسَنَ هَذِهِ فَاكْسُنِيهَا، فَقَالَ: نَعَمْ، [1]))

ترجمہ:

"سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک خاتون نبی کریم ﷺ کی خدمت میں "بردہ "لے کر آئیں ---۔تو اس خاتون نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں یہ لنگی آپ کے پہننے کے لیے لائی ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ لنگی ان سے قبول کرلی۔اس وقت آپ کو اس کی ضرورت بھی تھی پھر آپ نے پہن لیا۔ صحابہ میں سے ایک صحابی عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے بدن پر وہ لنگی دیکھی تو عرض کیا: یارسول اللہ! یہ بڑی عمدہ لنگی ہے، آپ مجھے اس کو عنایت فرما دیجئیے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ لے لو۔"

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کے اس عورت کا نام مجھے معلوم نہیں ہو سکا جس نے نبی کریم ﷺ کو بردہ[2] پیش کیا تھا یہ ہے کہ وہ بردہ بہترین اور قیمتی تھا لیکن نبی کریم ﷺ نے ایک مطالبہ پر صحابی کو دینے کا وعدہ فرمایا۔ حضور ﷺ کی فیاضی کی سامنے مہنگی اور قیمتی چیز بھی بے وقعت ہو جاتی تھی۔[3]

عام طور پر لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ سخاوت اور مال کے خرچ کرنے سے ان کی دولت کم ہو جائے گی۔جود وسخا نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ کسی عورت کا نبی کریم ﷺ کے لئے بہترین کے پوشاک لانا اور نبی کریم ﷺ کا دوسرے صحابیؓ کو پسند آنے پر انہیں ہبہ اور عطیہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اصل سخاوت محبوب چیز کو ہدیہ کرنے

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ حُسْنِ الخُلُقِ، وَالسَّخَاءِ، وَمَا يُكْرَهُ مِنَ البُخْلِ، ح، 6056

[2] بردہ کا مطلب شملہ ہوتا تھا اور شملہ اس لباس کو کہتے ہیں جسے پہنا جائے لیکن پھر یہ چادر اور کملی کیلئے استعمال ہونے لگا۔ جس کے حاشیے بنے ہوئے تھے اور کاٹے نہیں گئے تھے۔

[3] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ حُسْنِ الخُلُقِ، وَالسَّخَاءِ، وَمَا يُكْرَهُ مِنَ البُخْلِ 2/407ح 5678

میں ہے نہ کہ اضافی اور خراب چیز کو عطیہ کرنے میں ہے۔

حدیث مبارکہ ہے۔

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ النَّاسِ)) [1]

ترجمہ:

''انسؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔''

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے اس حدیث میں تین اوصاف کا ذکر کیا ہے اور یہ اس لئے کہ یہ تین اوصاف سب اوصاف کی ماں ہے۔اس میں غضبی قوت ہے، وراس کا کمال شجاعت ہے دوسرا شہوانی قوت ہے اور اس کا کمال جود ہے۔اور تیسرا عقلی قوت ہے اور اس کا کمال بولنا ہے۔[2]

جود وسخا میں کمی اس کے ثمرات اور فوائد سے لاعلمی ہے۔لوگوں اور حکومت اگر ایک ترتیب سے لوگوں کے خیرات، صدقات، زکوۃ اور ٹیکسز عوام پر لگائیں تو غربت کا خاتمہ ہو جائے گا۔نبی کریم ﷺ میں ہر صفت بھرپور تھی، چاہے وہ شجاعت ہو، سخاوت ہو یا حسن اخلاق ہو۔اس باب میں حسن اخلاق سخاوت اور شجاعت کا ذکر ہے دراصل یہ تین خصوصیات انسان کے بہت سارے خصوصیات کا نچھوڑ اور اس کی ماں ہے۔اگر انسان حسن اخلاق کا مالک ہے تو اس کی زندگی پر بہت اثرات پڑتے ہیں، اور وہ معاشرے میں ایک بہترین کردار ادا کرتا ہے اور اگر انسان سخی ہے تو وہ ایک بہترین دل کا مالک ہے اور لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔اگر انسان شجاع ہے تو بہترین فیصلے کرپاتا ہے اور صرف اللہ پر توکل کرتا ہے دوسروں کا مشورہ ضرور لیتا ہے لیکن مرعوب بالکل نہیں ہوتا۔

پردہ پوشی کے متعلق فرمان رسول ﷺ ہے۔

"((كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ، وَإِنَّ مِنَ الْمُجَاهَرَةِ أَنْ يَعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ عَمَلًا ثُمَّ يُصْبِحَ وَقَدْ سَتَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ، فَيَقُولَ: يَا فُلَانُ عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا، وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللَّهِ عَنْهُ")).[3]

ترجمہ:

''میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری تمام امت کو معاف کیا جائے گا سوا گناہوں کو کھلم کھلا کرنے والوں کے اور

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ حُسْنِ الخُلُقِ، وَالسَّخَاءِ، وَمَا يُكْرَهُ مِنَ البُخْلِ، ح۔6062

[2] عسقلانیؒ، فتح الباری، کتاب الادب، بَابُ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَالسَّخَاءِ، وَمَا يُكْرَهُ مِنَ 13/853-854ح:6033-6038

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ سَتْرِ الْمُؤْمِنِ عَلَى نَفْسِهِ، ح6098

گناہوں کو کھلم کھلا کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ ایک شخص رات کو کوئی) گناہ کا (کام کرے اور اس کے باوجود کہ اللہ نے اس کے گناہ کو چھپادیا ہے مگر صبح ہونے پر وہ کہنے لگے کہ اے فلاں! میں نے کل رات فلاں برا کام کیا تھا۔ رات گزر گئی تھی اور اس کے رب نے اس کا گناہ چھپائے رکھا، لیکن جب صبح ہوئی تو وہ خود اللہ کے پردے کو کھولنے لگا۔"

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ مومن سے گناہ سرزد ہو جاتے ہیں لیکن اس کو افشا کرنا اور پھیلانا اس کا اشاعت کرنا بڑا گناہ ہے۔ اور یہ گناہ معاشرے میں پھیل جاتا ہے۔ اعلانیہ گناہ کرنے والوں کے بارے میں کہا کہ ان کے لیے کوئی معافی نہیں ہو گی، اعلانیہ گناہ کرنے والے کو مظاہر[1] کہتے ہیں۔[2]

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

ابن بطال فرماتے ہیں کہ گناہ کے ظاہر کرنے، پردہ پوشی اور پردہ دری کرنے میں بظاہر اللہ تعالی کو اور اس کے رسول کے حق کو کمزور جاننا ہے۔ اور اسی طرح مسلمانوں کے حقوق بھی کمزور سمجھنا ہے اور اللہ تعالی کی رحمت بہت وسیع ہے اور غضب سے بڑھ کر ہے اسی لیے جب کوئی بندہ دنیا میں لوگوں کی پردہ پوشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرتا ہے ہے اور اللہ تعالی اس کو آخرت میں بھی کبھی رسوا نہیں کرے گا اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ

"اللہ تعالی انسان کو قیامت کے دن فرمائے گا کہ تجھ پر کوئی ڈر نہیں بے شک تو میرے رحمت کے پردے میں ہے میرے سوا کسی کو تیرے بنا پر خبر نہ ہو گی اور وہ اسی طرح جنت میں داخل ہو جائے گا۔"[3]

ایک انسان کی پردہ دری کرنا اس کے لئے دل میں ضد اور عناد کی وجہ سے ہوتا ہے لوگوں میں اس کے راز افشاں کرنا اس کی اصلاح کے لیے نہیں ہوتا بلکہ لوگوں میں اس کو رسوا کرنا ہوتا ہے۔ اللہ تعالی کی صفت ستار العیوب ہے کہ اللہ تعالی عیوب پر پردہ ڈالنے والا ہے۔ اپنی یا کسی اور کی پردہ دری کرنے والا شخص دراصل اللہ تعالی کی صفت ستاری کو چیلنج کرنے والا ہے اسی لیے حدیث شریف اس کے لیے سخت وعید ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لیے کوئی معافی نہیں ہے۔

---

[1] مظاہر: (والذی جاھر بمعصیتہ واظہرھا) یعنی جو لوگ اعلانیہ گناہ کرنے والے ہو۔

[2] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ سَتْرِ الْمُؤْمِنِ عَلَى نَفْسِهِ، 468/2ح 7521-5722

[3] عسقلانیؒ، فتح الباری، کتاب الادب، بَابُ سَتْرِ الْمُؤْمِنِ عَلَى نَفْسِهِ 44/13ح: 5608-5609

نبی ﷺ پردہ پوشی کی فضیلت بیان کرتے ہیں۔

((يَدْنُو أَحَدُكُمْ مِنْ رَبِّهِ حَتَّى يَضَعَ كَنَفَهُ عَلَيْهِ، فَيَقُولُ:" عَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا"، فَيَقُولُ: نَعَمْ، وَيَقُولُ:" عَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا"، فَيَقُولُ: نَعَمْ، فَيُقَرِّرُهُ، ثُمَّ يَقُولُ:" إِنِّي سَتَرْتُ عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا فَأَنَا أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ))[1]."

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ فرماتے تھے (قیامت کے دن تم مسلمانوں) میں سے ایک شخص (جو گنہگار ہو گا) اپنے پروردگار سے نزدیک ہو جائے گا۔ پروردگار اپنا بازو اس پر رکھ دے گا اور فرمائے گا تو نے (فلاں دن دنیا میں) یہ یہ برے کام کئے تھے، وہ عرض کرے گا۔ بیشک)پروردگار مجھ سے خطائیں ہوئی ہیں پر تو غفور رحیم ہے (غرض)سارے گناہوں کا (اس سے)پہلے (اقرار کرالے گا پھر فرمائے گا دیکھ میں نے دنیا میں تیرے گناہ چھپائے رکھے تو آج میں ان گناہوں کو بخش دیتا ہوں۔"

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

اللہ تعالی پردہ پوشی کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ قیامت کے دن بندہ اللہ تعالی کے دربار میں سارے گناہوں کا اعتراف کرے گا تو اللہ تعالی کہے گا کہ میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی اور تیرے گناہ لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کیے تو آج بھی میں تیری پردہ پوشی کروں گا، اور اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت کریں گے۔[2]

ایک انسان کی پردہ دری کرنا اس کے لئے دل میں ضد اور عناد کی وجہ سے ہوتا ہے لوگوں میں اس کے راز افشاں کرنا اس کی اصلاح کے لیے نہیں ہوتا بلکہ لوگوں میں اس کو رسوا کرنا ہوتا ہے۔ دوسروں کے عزت اور لوگوں کا خیال رکھنا اور پردہ رکھنا شریعت کے اوامر میں سے بھی ہیں اور حسن معاشرت کے بنیادی اصولوں میں سے ہیں۔ پردہ پوشی کرنے سے پردہ پوشی کرنے والا گناہ سے محفوظ رہتا ہے اور اور جس کی پردہ پوشی کی جاتی ہے اس کی عزت وآبرو کی حفاظت ہو جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ اور ابو بکرؓ کے ملاقات کے متعلق ارشاد مبارکہ ہے:

((أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: لَمْ أَعْقِلْ أَبَوَيَّ إِلَّا وَهُمَا يَدِينَانِ الدِّينَ، وَلَمْ يَمُرَّ عَلَيْهِمَا يَوْمٌ إِلَّا يَأْتِينَا فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَفَيِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَعَشِيَّةً، فَبَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ فِي بَيْتِ أَبِي بَكْرٍ فِي نَحْرِ الظَّهِيرَةِ قَالَ قَائِلٌ: هَذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَاعَةٍ لَمْ يَكُنْ

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب سَتْرِ الْمُؤْمِنِ عَلَى نَفْسِهِ، ح6099

[2] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ سَتْرِ الْمُؤْمِنِ عَلَى نَفْسِهِ، 468/2، ح5722

يَأْتِينَا فِيهَا، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا جَاءَ بِهِ فِي هَذِهِ السَّاعَةِ إِلَّا أَمْرٌ، قَالَ:" إِنِّي قَدْ أُذِنَ لِي بِالْخُرُوجِ.")) [1]

ترجمہ:

"عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو دین اسلام کا پیرو پایا اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ جس میں رسول اللہ ﷺ ان کے پاس صبح و شام تشریف نہ لاتے ہوں، ایک دن ابو بکر رضی اللہ عنہ (والد ماجد) گھر میں بھری دوپہر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے ہیں، یہ ایسا وقت تھا کہ اس وقت ہمارے یہاں نبی کریم ﷺ کے آنے کا معمول نہیں تھا، ابو بکر رضی اللہ عنہ بولے کہ اس وقت نبی کریم ﷺ کا تشریف لانا کسی خاص وجہ ہی سے ہو سکتا ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے مکہ چھوڑنے کی اجازت مل گئی ہے۔"

امام بدرالدین العینیؒ فرماتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ صدیقؓ کا زیادہ حق تھا کہ وہ محمد ﷺ کی زیارت کرتے تو محمد ﷺ کو بار بار آنے کی مشقت نہ ہوتی، اس کا جواب دیا گیا کہ نبی ﷺ صرف زیارت کی غرض سے نہیں آتے تھے بلکہ ابو بکر صدیقؓ کے علم کے اضافے کے لیے آتے تھے جو علم اللہ تعالی کی طرف سے دیا ہوا ہوتا تھا۔ دوسرا یہ کہ جب نبی کریم ﷺ ابو بکرؓ کے گھر آتے تو وہ مشرکین کی تکلیفوں سے امن میں رہتے تھے۔ برخلاف اس کے ابو بکرؓ ان کے گھر جائیں۔ اور یہ بھی کہا گیا کیا یہ احتمال ہے کہ ابو بکرؓ دن اور رات میں دو دفعہ سے زیادہ نبی ﷺ کے پاس جاتے تھے۔ [2]

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

امام بخاریؒ کا مقصد ہے کہ اگر کوئی شخص روزانہ اپنے ساتھی دوست کے پاس جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اسی طرح یہ شبہ بھی آسکتا ہے کہ نبی ﷺ روزانہ جایا کرتے تھے حالانکہ صدیق اکبرؓ بھی آسکتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت ابو بکرؓ سے محبت اور خصوصی لگاؤ کی بنا پر معمول سے آیا کرتے تھے تھے حالانکہ ابو بکرؓ بھی جایا کرتے ہوں گے۔ یہاں نبی کریم ﷺ کی محبت اور قربت ابو بکر صدیقؓ کے لیے ظاہر کر دی گئی ہے۔

حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ کا ابو بکرؓ کے پاس معمول سے آنے پر معمول کے وقت کا ذکر ہے اور نبی کریم ﷺ انہی اوقات میں آتے تھے جب ابو بکرؓ کو بھی نبی کریم ﷺ کے آنے کا انتظار رہتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کے پاس ملاقات کے لیے جانا ہو تو اس سے سے پہلے سے ہی ہیں وقت لیا جائے تا کہ ملاقات کی وجہ سے وہ

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ هَلْ يَزُورُ صَاحِبَهُ كُلَّ يَوْمٍ أَوْ بُكْرَةً وَعَشِيًّا، ح6106

[2] عینی، عمدۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ هَلْ يَزُورُ صَاحِبَهُ كُلَّ يَوْمٍ أَوْ بُكْرَةً وَعَشِيًّا22/227، ح6079

اپنی ضروری کاموں سے رہ نہ سکے۔[1]

احساس ناپید ہوتی جارہی ہے اور دوسروں کا احساس ختم ہورہا ہے اگر احساس ختم ہوجائے تو حقوق پامال ہوتے ہیں، اور احساس نہ ہونا لوگ گناہ کو گناہ نہیں سمجھتے ہیں، حالانکہ اس وجہ سے بہت حقوق کی پامالی ہوتی ہے۔ یہ بات حسن معاشرت اور ادب کے خلاف ہے کہ بغیر اطلاع کے ملاقات کے لئے جایا جاتا ہے، اس سے میزبان کو تکلیف بھی ہوتی ہے اور نہ چاہتے ہوئے ملاقات کرنی پڑتی ہے جو کہ دوسروں کو تکلیف کے زمرے میں آتا ہے اور یہ گناہ ہے۔

اجازت کی اہمیت کے متعلق قول نبی ﷺ:

((إِذَا اسْتَأْذَنَ أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا، فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ فَلْيَرْجِعْ))[2]

ترجمہ:

''جب تم میں سے کوئی تین بار اذن چاہے، پھر کوئی اجازت نہ ملے، تو لوٹ جائے۔''

شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

اجازت طلب کرنا مشروع اور ضروری امر ہے اللہ تعالی نے سورۃ النور میں اس کے احکام کی تفصیل بیان کی ہے۔ اور علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اجازت طلب کرنا واجب ہے اور اجازت کے بغیر کسی جگہ جانا یا کسی جگہ داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ اجازت کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ سلام سے پہلے اجازت طلب کرنا ضروری ہے اور بعض کہتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ سلام پہلے ہوں اور اجازت بعد میں ہوں۔ فتوی دوسرے قول پر ہے۔[3]

بلا اجازت کسی کے گھر دفتر وغیرہ میں داخلہ تکلیف کا باعث ہے۔ یہ ایک نہایت ضروری امر اور آداب میں سے ہے کہ کسی جگہ جانے سے پہلے جانے والے سے اجازت طلب کی جائے۔ بغیر اجازت کے کسی کے پاس جانا ایک قبیح عمل ہے بغیر اجازت کے اور بغیر وقت لئے کسی کے پاس جانا اس کو تکلیف دینا ہے اور مسلمان کو تکلیف دینا شدید گناہ کا عمل اس لیے یہ ضروری عوامل ہے اور ان کا خیال رکھنا ہمیں بہترین مسلمان بناتا ہے۔

اجازت طلب کرتے وقت اپنا تعارف کرنا چاہیے:

((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ ، قال: " أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَوْتُ،

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ هَلْ يَزُورُ صَاحِبَهُ كُلَّ يَوْمٍ أَوْ بُكْرَةً وَعَشِيًّا، 2/480ح5729،

[2] قشیری، امام مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، (مصر: دار طیبہ للنشر التوزیع، طبع 1427) کتاب الآداب، باب الِاسْتِئْذَانِ ، 1/ 1030، ح2153،

[3] عثمانی، شبیر احمد، فتح الملہم، (لبنان: دار احیا التراث العربی بیروت، طبع اول 1426 ،) کتاب الآداب، باب الِاسْتِئْذَانِ، 4/198، ح5591 ،

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ هَذَا؟ "فد، قُلْتُ: أَنَا، قَالَ: فَخَرَجَ، وَهُوَ يَقُولُ: أَنَا أَنَا))[1]

ترجمہ:

''سیدنا جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا میں نے پکارا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کون ہے؟'' میں نے کہا: میں ہوں۔ آپ ﷺ باہر نکلے یہ کہتے ہوئے: ''میں تو میں بھی ہوں۔''

شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

انا ایک لفظ کو دو دفعہ تکرار کے ساتھ لانے کی دو وجوہات ہیں: پہلا یہ کہ کہ نبی ﷺ نے جابرؓ کو ملنے سے انکار کیا۔ دوسرا یہ کہ ''انا'' لفظ ہر متکلم کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس سے تعریف کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

مختصرا یہ کہ اس طرح کا جواب دینا مکروہ ہے کیونکہ اجازت طلب کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اپنا تعارف کرے اور جس سے اجازت طلب کی جارہی ہے اگر اجازت طلب کرنے والے کو نہ جانتا ہو تو اس طرح کے جواب کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر جانتا بھی ہو تو اتنے مختصر جواب سے اس کو پہچاننے میں مشکل ہو گی۔ اور اتنے مختصر جواب دینے میں تکبر کا شائبہ بھی ہے کہ اجازت طلب کرنے والا تعارف سے غنی ہے۔[2]

مکمل تعارف نہ کرنے کی وجہ لاپرواہی ہے اسی طرح یہ بے ادبی میں شمار کیا جائے گا اور اس میں تکبر کا بھی شائبہ ہے۔ یہاں پر ہمیں اس بات کی تعلیم دی جارہی ہے کہ اگر ہم کسی سے اجازت طلب کرتے ہیں تو اس کے کیا آداب ہیں کہ پہلے اپنا مکمل تعارف کرائے اس کے بعد اجازت طلب کرے، جس سے اجازت طلب کی جارہی ہے اگر وہ اجازت دینا پسند کرتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ واپس لوٹ جائے۔

ہنسی کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ ہے

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا--- فَطَفِقَ خَالِدٌ يُنَادِي أَبَا بَكْرٍ، يَا أَبَا بَكْرٍ أَلَا تَزْجُرُ هَذِهِ عَمَّا تَجْهَرُ بِهِ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ وَمَا يَزِيدُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى التَّبَسُّمِ،))[3]

ترجمہ:

''عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔۔۔۔۔ خالد بن سعید اس پر ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آواز دے کر کہنے لگے کہ آپ اس عورت کو ڈانتے نہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے کس طرح کی

---

[1] قشیری، صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب کَرَاهَةِ قَوْلِ الْمُسْتَأْذِنِ أَنَا. إِذَا قِيلَ مَنْ هَذَا، ح2155

[2] عثمانی، فتح الملہم، کتاب الآداب، باب کَرَاهَةِ قَوْلِ الْمُسْتَأْذِنِ أَنَا. إِذَا قِيلَ مَنْ هَذَا، ح 5600

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ التَّبَسُّمِ وَالضَّحِكِ، ح6084

بات کہتی ہے اور نبی کریم ﷺ نے تبسم فرمایا۔"

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

مسکرانا اور ہنسنا بھی خوش اخلاقی ہے۔ نرمی کے ساتھ مسکرا کر اور ہنسی کے ساتھ بات کرنا نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ تبسم [1] ہنسنے [2] اور قہقہے [3] میں فرق ہے نبی کریم ﷺ اکثر مسکراتے تھے اور ہنستے بہت کم تھے اور کھلکھلا کر ہنسنے کا یا قہقہے سے احتراز کیا کرتے تھے، حدیث میں رفاعہ قرظی [4] کی بیوی کا واقعہ ہے۔ یہ عورت خزرج قبیلے سے تھی۔ اس نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ بے ادبی کے ساتھ بات کی، عائشہؓ فرماتی ہے کہ کہ نبی کریم ﷺ صرف مسکراتے رہے اور اس کی کسی بات کا برا نہیں منایا۔ [5]

مجلس میں بے موقع اور اور غیر متعلقہ سوال سے لوگ تنگ ہو جاتے ہیں اور بات کا تسلسل خراب کرنے کی وجہ سے سوال کرنے والے کو ملامتی کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے لیکن نبی کریم ﷺ نے ایک عورت جو کہ غیر مناسب اور غیر شائستہ رویہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ سے بات کر رہی تھی تب بھی نبی کریم ﷺ نے اس کو بات کرنے سے منع نہیں کیا اور نہ اس کی بات پر اس کو ٹوک دیا بلکہ نبی کریم ﷺ نے اس کے سوال سننے کے بعد مسکرا دیا۔

حدیث مبارکہ ہے۔

((اسْتَأْذَنَ عُمَرُ ----، فَأَذِنَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ، وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُ، فَقَالَ: أَضْحَكَ اللَّهُ سِنَّكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي،)) [6]

ترجمہ:

"عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت چاہی۔۔۔۔۔ پھر نبی کریم ﷺ نے ان کو اجازت دی اور وہ داخل ہوئے۔ نبی کریم ﷺ اس وقت ہنس رہے تھے، عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ آپ کو خوش رکھے، یا رسول اللہ!

---

[1] تبسم: ہونٹوں ہونٹوں میں ہنسنا۔

[2] ہنسنا: اس طرح مسکرانا کہ دانت نظر آئے مگر آواز نہ نکلے۔

[3] قہقہہ: س طرح ہنسنا کے سارے لوگ سن لے۔

[4] ابو لُبابہ انصاری، بشیر بن عبد المنذر بن رفاعہ، پیغمبر اکرم (ص) کے صحابی ہیں جو جنگ بدر، غزوہ سویق اور غزوہ بنی قینقاع میں مدینہ میں آپ (ص) کے نایب رہے اور دوسرے غزوات میں حضرت کی رکاب میں جنگ میں شرکت کی۔ غزوہ بنی قریظہ کے دوران ایک خطا کا شکار ہوئے لہذا اس غلطی سے توبہ کے لئے خود کو مسجد نبوی (ص) کے پاس ایک ستون سے باندھ لیا۔ یہاں تک کہ سورہ انفال کی 27 ویں اور سورہ توبہ کی 102 ویں آیت ان کے حق میں نازل ہوئی اور ان کی توبہ کو قبولیت کا درجہ عطا کیا۔

[5] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ التَّبَسُّمِ وَالضَّحِكِ، 11/108، ح6084،

[6] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ التَّبَسُّمِ وَالضَّحِكِ ، ح6085

میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔"

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ عام حالات میں تبسم فرمایا کرتے تھے، کبھی کبھی ضحک (ہنسی) بھی فرمایا کرتے تھے۔ علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہنسی صرف تبسم ہوا کرتی تھی۔ آپ ﷺ کے ہنسنے کا انتہائی درجہ یہ تھا کہ آپ ﷺ کے دانت مبارک ظاہر ہو جاتے۔ قہقہہ لگا کر نبی کریم ﷺ کبھی نہ ہنستے تھے۔[1]

غصہ اور کرخت لہجے میں بات کرنا دل کی سختی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بات کو سمجھانے کے لیے بات کرنے کا انداز، لہجہ اور چہرے پر مسکراہٹ ضروری پر ہے۔ مسکرا کر بات کرنا نبی کریم ﷺ کی مبارک سنت ہے۔ نبی کریم ﷺ عام طور پر تبسم فرمایا کرتے تھے۔ ضحک کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے، ضحک اور بلند آواز میں ہنسنے سے احتراز کیا کرتے تھے اس لئے کہ اونچا اور قہقہہ لگا کر ہنسنے سے آدمی غیر سنجیدہ لگتا ہے اور دل مردہ ہو جاتا ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ ہے۔

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّائِفِ قَالَ:" إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ"، فَقَالَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا نَبْرَحُ أَوْ نَفْتَحَهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" فَاغْدُوا عَلَى الْقِتَالِ" قَالَ: فَغَدَوْا فَقَاتَلُوهُمْ قِتَالًا شَدِيدًا وَكَثُرَ فِيهِمُ الْجِرَاحَاتُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ" قَالَ: فَسَكَتُوا فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،))[2]

ترجمہ:

" جب رسول اللہ ﷺ طائف میں تھے (فتح مکہ کے بعد) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے چاہا تو ہم یہاں سے کل واپس ہوں گے۔ آپ کے بعض صحابہ نے کہا کہ ہم اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک اسے فتح نہ کرلیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہی بات ہے تو کل صبح لڑائی کرو۔ بیان کیا کہ دوسرے دن صبح کو صحابہ نے گھمسان کی لڑائی لڑی اور بکثرت صحابہ زخمی ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان شاءاللہ ہم کل واپس ہوں گے۔ بیان کیا کہ اب سب لوگ خاموش رہے۔ اس پر نبی کریم ﷺ ہنس پڑے۔"

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ کی زیادہ سے زیادہ ہنسی کی جو کیفیت روایت میں منقول ہے وہ "حتی بدت نواجذہ" کے الفاظ

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب، بَابُ التَّبَسُّمِ وَالضَّحِكِ، 22/499، ح5738

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ التَّبَسُّمِ وَالضَّحِكِ ، ح6086

کے ساتھ ہے جیسا کہ اس باب میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے معلوم ہوا، عائشہؓ کی روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کھل کر ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔

البتہ بعض حضرات فقہاء نے "حتی بدت نواجذہ" والی کیفیت کو قہقہہ میں شامل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کیفیت کے ساتھ کوئی نماز میں ہنسے تو نماز کے ساتھ اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ اس تفصیل کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے قہقہہ ثابت ہے لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک یہ تعریف نہیں ہے، جس سے نبی کریم ﷺ سے قہقہہ ثابت نہیں ہوتا۔[1]

عام اور معمولی بات بھی سخت اور درشت لہجہ میں ہو تو اسے دل میں نفرت اور بغض پیدا ہوتا ہے اور اگر سخت اور ضروری بات اگر نرمی سے ہو تو اس سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ ہنس کر اور پر وقار طریقے سے بات کرنا نبی کریم ﷺ کا معمول تھا جنگ سے واپسی کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے اپنی بات پر زبردستی نہیں کی اور ان کو مجبور نہیں کیا، بلکہ ان کی بات کو ترجیح دی، اور دوسرے دن نبی کریم ﷺ کا ہنسنا اس بات پر دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مشفقانہ اور دوستانہ ماحول میں بات کیا کرتے تھے۔

ایک اور حدیث ہے:

((أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: هَلَكْتُ وَقَعْتُ عَلَى أَهْلِي فِي رَمَضَانَ، قَالَ:" أَعْتِقْ رَقَبَةً" ------ وَاللَّهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنَّا، فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ قَالَ:" فَأَنْتُمْ إِذًا))[2]

ترجمہ:

"ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میں تو تباہ ہو گیا اپنی بیوی کے ساتھ رمضان میں (روزہ کی حالت میں) ہمبستری کر لی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر ایک غلام آزاد کر۔۔۔۔۔ انہوں نے عرض کیا مجھ سے جو زیادہ محتاج ہو اسے دوں؟ اللہ کی قسم! مدینہ کے دونوں میدانوں کے درمیان کوئی گھرانہ بھی ہم سے زیادہ محتاج نہیں ہے۔ اس پر نبی کریم ﷺ ہنس دیئے اور آپ کے سامنے کے دندان مبارک کھل گئے، اس کے بعد فرمایا کہ اچھا پھر تو تم میاں بیوی ہی اسے کھالو۔"[3]

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب، بَابُ التَّبَسُّمِ وَالضَّحِكِ، 22/499، ح5739

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ التَّبَسُّمِ وَالضَّحِكِ، ح 6087

[3] اشارہ ہے اس تفصیلی حدیث کی طرف ایک بندہ نبی کریم ﷺ کے سامنے حالت روزہ میں جماع کا اقرار کرتا ہے تو نبی کریم ﷺ نے اس کو غلام آزاد کرنے کا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کے بارے میں بتاتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ میں محتاج اور فقیر ہوں جب نبی کریم ﷺ اس کو کھجور عنایت کرکے فرماتے ہیں کہ اسے ھدیہ کرو تو بندہ کہتا ہے کہ میں اس کا سب سے زیادہ محتاج ہوں۔ تو نبی ﷺ ہنس دیتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے کشف الباری صفحہ نمبر 489 کتاب الادب، ح5737)

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کبھی بھی منہ کھول کے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کا حلق ظاہر ہو۔آپ ﷺ اکثر حالات میں تبسم سے زیادہ نہیں کیا کرتے تھے اور کبھی ہنستے بھی تھے۔وجہ یہ ہے کہ زیادہ ہنسنا مکروہ ہے اور یہ انسان کی عزت کو ختم کرتا ہے۔اور انسان کا رعب ختم ہو جاتا ہے۔[1]

دینی مسائل میں لوگوں کے لئے سختی کرنے سے لوگوں کے دل میں ان مسائل اور دین سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے۔ایک صاحب جو نبی کریم ﷺ کو اپنا مسئلہ بتانے آگئے، نبی کریم ﷺ نے مسئلے کا حل بتادیا لیکن ان صاحب نے خود کو مجبور ظاہر کرکے اس سے معذرت کرلی اس کی مجبوری دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے اس کی مدد کرنا چاہی لیکن اس ان صاحب نے اس مدد کی کاسب سے زیادہ مستحق خود کو ٹھہرایا تو نبی کریم ﷺ نے کچھ کھجور ان صاحب کے حوالے کردی۔اس حدیث سے دینی مسائل کا نرم ہونا اور لچک دار ہونا معلوم ہوتا ہے۔دینی مسائل میں اتنی سختی نہیں کہ سامنے والے کو مجبوراسے قبول کرنے پڑجائیں بلکہ مسائل اور اور پوچھنے والے کے حالت کو دیکھ کر کر نرمی سے بھی فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ ہنسی کے متعلق ایک اور روایت ہے:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ:" كُنْتُ أَمْشِي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيظُ الْحَاشِيَةِ، فَأَدْرَكَهُ أَعْرَابِيٌّ فَجَبَذَ بِرِدَائِهِ جَبْذَةً شَدِيدَةً، ۔۔۔۔۔ ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ مُرْ لِي مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي عِنْدَكَ، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ فَضَحِكَ، ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِعَطَاءٍ.")) [2]

ترجمہ:

''انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا۔آپ کے جسم پر ایک نجرانی چادر تھی، جس کا حاشیہ موٹا تھا۔اتنے میں ایک دیہاتی آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپ کی چادر بڑے زور سے کھینچی۔۔۔۔۔پھر اس نے کہا: اے محمد! اللہ کا جو مال آپ کے پاس ہے اس میں سے مجھے دیئے جانے کا حکم فرمایئے۔ اس وقت میں نے نبی کریم ﷺ کو مڑ کر دیکھا تو آپ مسکرا دیئے پھر آپ ﷺ نے اسے دیئے جانے کا حکم فرمایا۔''

حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کی کی صفات کا ذکر ہے۔نبی کریم ﷺ کے تحمل، برداشت، جود وسخا اور ہنسنے کا ذکر ہے۔اگر سوال کرنے والا جاہل ہو اور اس کو سننے یا سوال کرنے کا سلیقہ اور ادب نہ ہو تو اس پر سختی نہیں کرنی

[1] عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب، بَابُ التَّبَسُّمِ وَالضَّحِكِ، ج113/661 ح:6087

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب،، بَابُ التَّبَسُّمِ وَالضَّحِكِ ،ح6088

چاہیے بلکہ کہ کشادہ چہرے کے ساتھ اس سے معذرت کر لینی چاہیے یا اس کو وہ چیز عطا کر دینا چاہیے۔

سختی سے دل میں نفرت اور بغض بک نرمی سے محبت اور قربت پیدا ہوتی ہے۔ حسن معاشرت کا مسلمہ اصول ہے کہ اگر مخالف شخص آپ کے ساتھ ظلم و زیادتی بھی کرے تو آپ حتی الوسع کوشش کرے کہ اس کے ساتھ بہترین سلوک اور رواداری کا تعلق قائم رکھے تو اسی طرح معاشرہ ایسی صورت اختیار کرتا ہے۔

حضرت عائشہ کی روایت ہے:

((مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعًا قَطُّ ضَاحِكًا حَتَّى أَرَى مِنْهُ لَهَوَاتِهِ، إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ."))[1]

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ کو اس طرح کھل کر کبھی ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کے حلق کا کوا نظر آنے لگتا ہو، آپ ﷺ صرف مسکراتے تھے۔"

امام بدر الدین العینیؒ فرماتے ہیں:

"مستجمعا قط ضاحکا" ایسا ہنسا کے کہ جس میں بہت زیادہ مبالغہ ہو اور ضاحکا منصوب علی التمیز ہے۔ اور مشتق ہے۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو "من کل للوجہ" اور بہت زیادہ کھلے چہرے کے ساتھ ایسا ہنستے ہوئے نہیں پایا آیا کہ ان کے دانت مبارک بھی نظر آئے۔[2]

بہت زیادہ ہنسنے اور قہقہے لگانے سے آدمی میں سنجیدگی نہیں رہتی اور آدمی کے بات کا وزن ختم ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ اس میں اعتدال فرمایا کرتے تھے، اور جس کے ساتھ بات کرتے تھے بہت زیادہ ہنستے نہیں تھے۔

پہلی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ کے لہوات نظر آتے تھے۔ جو کہ ہنسنے کے دوران عام طور پر نظر آجاتے ہیں۔ جبکہ دوسری حدیث میں گلے کا کوا اسی حالت میں نظر آجاتا ہے جب ہنسنا اونچی آواز سے ہو، نبی ﷺ اس سے احتراز کیا کرتے تھے۔

تکلیف پر صبر کے متعلق عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے:

((قَسَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِسْمَةً كَبَعْضِ مَا كَانَ يَقْسِمُ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: وَاللَّهِ إِنَّهَا لَقِسْمَةٌ مَا أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللَّهِ، ..... فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَغَيَّرَ وَجْهُهُ وَغَضِبَ،،))[3]

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب،، بَابُ التَّبَسُّمِ وَالضَّحِكِ ،ح6092

[2] عینی، عمدۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ التَّبَسُّمِ وَالضَّحِكِ:، 22/237،ح6092

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ الصَّبْرِ عَلَى الأَذَى،ح6100

ترجمہ:

"کہ رسول اللہ ﷺ نے (جنگ حنین) میں کچھ مال تقسیم کیا جیسا کہ آپ ہمیشہ تقسیم کیا کرتے تھے۔ اس پر قبیلہ انصار کے ایک شخص نے کہا کہ اللہ کی قسم! اس تقسیم سے اللہ کی رضامندی حاصل کرنا مقصود نہیں تھا۔۔۔۔ نبی کریم ﷺ کو اس کی یہ بات بڑی ناگوار گزری اور آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ غصہ ہو گئے۔"

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

ابن مسعودؓ کا نبی کریم ﷺ کو صحابی کے بارے میں بتانا حضرت محمد ﷺ کی خیر خواہی اور آپ ﷺ کو خبر دار کرنے کیلیے تھا کہ جو آپ کے حق میں طعن کرتا ہے وہ مسلمان ہے لیکن باطن میں منافق ہے تاکہ لوگ اس سے ڈرے، اور یہ اسی طرح جائز ہے جیسے کہ کفار میں جاسوسی کرنا تاکہ لوگ ان کے مکر سے احتیاط کرے۔ حضرت محمد ﷺ نے اس کے اس الزام پر صبر کیا اور فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام پر اس سے زیادہ بڑے الزام لگائے گئے تھے لیکن انہوں نے صبر کیا تھا۔[1]

صبر اک بہترین صفت ہے اس پر عمل نہ کرنے کی بڑی وجہ انسان کا جلد باز ہونا ہے۔ صبر کرنا ایک بہترین صفت ہے اور اس کا ثواب ملتا ہے نبی کریم ﷺ پر الزام لگایا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے مال کی تقسیم میں انصاف نہیں کیا تو نبی کریم ﷺ نے بہت حوصلے سے برداشت کیا اور ناگواری کے الفاظ منہ سے نہیں ادا کیے اور نہ ہی کوئی سخت فیصلہ کیا بلکہ صبر کیا اور فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس سے زیادہ تکلیف پہنچی اور صبر کیا تو میں بھی صبر کروں گا۔ دینی امور سے کوتاہی پر غصہ ایمان میں سے ہے:

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہے کہ :

((دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ وَفِي الْبَيْتِ قِرَامٌ فِيهِ صُوَرٌ فَتَلَوَّنَ وَجْهُهُ، ثُمَّ تَنَاوَلَ السِّتْرَ فَهَتَكَهُ، وَقَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ:" إِنَّ مِنْ أَشَدِّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِينَ يُصَوِّرُونَ هَذِهِ الصُّوَرَ.")) [2]

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ اندر تشریف لائے اور گھر میں ایک پردہ لٹکا ہوا تھا جس پر تصویریں تھیں۔ نبی کریم ﷺ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ پھر آپ نے پردہ پکڑا اور اسے پھاڑ دیا۔ ام المؤمنین نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن ان لوگوں پر سب سے زیادہ عذاب ہوگا، جو یہ صورتیں بناتے ہیں۔

---

[1] عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب، بَابُ الصَّبْرِ عَلَى الأَذَى 13/675،ح:6100

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْغَضَبِ وَالشِّدَّةِ لأَمْرِ ،ح6109

مولانا سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نے گھر میں تصویر دیکھ کر ناراضگی کا اظہار کیا اور چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا۔ حالانکہ عام حالات میں کسی غیر متعلقہ اور ناگوار بات پر نبی کریم ﷺ پر صبر فرمایا کرتے تھے لیکن دین کے معاملے میں نبی کریم ﷺ سختی کیا کرتے تھے۔[1]

دنیاوی معاملات میں صبر کرنا بڑے اور مضبوط دل کی علامت ہے جبکہ دینی معاملات میں کوتاہی پر کچھ نہ کہنا اور صبر کرنا کمزور دل اور کمزور ایمان کی علامت ہے۔ امامؒ کا مقصد یہاں سے نبی کریم ﷺ کا اذیت پر صبر کرنا اور اپنی ذات کے لیے ان سے انتقام نہ لینا اور شفقت اور نرمی کا برتاؤ کرنا اگرچہ نبی کریم ﷺ کے اخلاق کریمہ میں شامل تھا لیکن شریعت اور اللہ کے احکام کے معاملے میں نبی کریم ﷺ رعایت نہیں فرماتے تھے۔ اور شرعی امور کی نافرمانی پر غصہ آنا اور تادیب کرنا ایمان کا حصہ ہے۔

حقوق العباد کی اہمیت:

((أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا، قَالَ: فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ أَشَدَّ غَضَبًا فِي مَوْعِظَةٍ مِنْهُ يَوْمَئِذٍ، [2]))

ترجمہ:

''ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں صبح کی نماز جماعت سے فلاں امام کی وجہ سے نہیں پڑھتا کیونکہ وہ بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس دن ان امام صاحب کو نصیحت کرنے میں نبی کریم ﷺ کو میں نے جتنا غصہ میں دیکھا ایسا میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔''

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

لمبی اور طویل نماز پڑھنا اگرچہ ثواب اور فضیلت والے کام ہیں ہیں لیکن اگر اس نماز کی وجہ سے بھی لوگوں کو تکلیف ہو تو لمبی اور طویل نماز پڑھنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ اس حدیث سے نبی کریم ﷺ نے حقوق العباد کی اہمیت اجاگر کی ہے کہ اگر نماز سے یا عبادات سے بھی حقوق العباد کا ترک کرنا آرہا ہوں تو ان عبادات پر حقوق العباد کو ترجیح دینی چاہیے۔[3]

لوگوں کو تکلیف دینا شدید گناہ ہے اور یہ حقوق العباد کو ترک کرنے اور اس کو پامال کرنے کے زمرے میں آتا ہے

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب،، بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْغَضَبِ وَالشِّدَّةِ لِأَمْرِ اللَّهِ، 22/508، ح5757

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب،، بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْغَضَبِ وَالشِّدَّةِ لأَمْرِ اللَّهِ ،، ح6110

[3] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب،، بابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْغَضَبِ وَالشِّدَّةِ لأَمْرِ اللَّهِ 22/508، ح5759

نبی کریم ﷺ نے اس نماز کو طویل نماز کی بھی نقل فرمائی اور اس سے منع فرمایا اور اس کے بارے میں غصے کا اظہار فرمایا جس کو تکلیف ہوتی ہو گیا کہ دین محبت اور امن کا نام ہے جو لوگوں کو تکلیف دینے سے لوگ دین بیزار ہو جائیں گے۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا کہ :

((بَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي رَأَى فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ نُخَامَةً[1] فَحَكَّهَا بِيَدِهِ فَتَغَيَّظَ، ثُمَّ قَالَ" إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ فِي الصَّلَاةِ، فَإِنَّ اللَّهَ حِيَالَ وَجْهِهِ[2]، فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ حِيَالَ وَجْهِهِ فِي الصَّلَاةِ[3])."

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ ﷺ نے مسجد میں قبلہ کی جانب منہ کا تھوک دیکھا۔ پھر آپ نے اسے اپنے ہاتھ سے صاف کیا اور غصہ ہوئے پھر فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ہوتا ہے۔ اس لیے کوئی شخص نماز میں اپنے سامنے نہ تھوکے۔"

ایک معاشرے میں رہنے کے لئے جو اچھی خصلتیں ضروری ہیں، نبی کریم ﷺ نے ان کی تعلیم دی ہے جگہ جگہ پر تھوکنا ایک قبیح عمل ہے اور بری خصلت ہے۔ اسی طرح لوگوں کو کراہت اور تکلیف ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے میں نے اپنے ہاتھ سے صاف کر کے امت کو یہ تعلیم دی ہے کی چیزوں میں احتیاط کریں کریں جن کو لوگوں سے کراہت محسوس جن سے لوگوں کو کراہت محسوس ہوتی ہو۔

حیا ایمان کا جزء ہے:

((قال النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" الْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ" فَقَالَ بُشَيْرُ بْنُ كَعْبٍ: مَكْتُوبٌ فِي الْحِكْمَةِ إِنَّ مِنَ الْحَيَاءِ وَقَارًا وَإِنَّ مِنَ الْحَيَاءِ سَكِينَةً، [4]))

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا "حیاء سے ہمیشہ بھلائی پیدا ہوتی ہے۔" اس پر بشیر بن کعب نے کہا کہ حکمت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حیاء سے وقار حاصل ہوتا ہے، حیاء سے سکینت حاصل ہوتی ہے۔"

---

[1] "نخامہ" میم کے ضمہ کے ساتھ ناک وغیرہ سے نکلنے والی رطوبت کو کہتے ہیں۔ تفصیل کیلئے دیکھئے، کشف الباری، کتاب الادب، بابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْغَضَبِ وَالشِّدَّةِ لِأَمْرِ اللَّهِ جلد22/، ح..508،

[2] "حیال وجہہ" یہاں کے کسرہ کے ساتھ سامنے کے معنی میں ہے "ای مقابل وجہہ" ہو ایک روایت میں ہے کہ "قبل وجہہ" ہے۔

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب،، بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْغَضَبِ وَالشِّدَّةِ لِأَمْرِ اللَّهِ، ح6111

[4] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ الْحَيَاءِ، ح6117

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

حضرت عمران بن حصینؓ نے حدیث بیان کی کہ "الحیاء لا یاتی الا بخیر "کہ حیا مفید ہے اور حیا کا فائدہ بیان کیا۔بشیر بن کعبؓ جو کہ جلیل القدر صحابی ہے انہوں نے کہا کہ حکمت اور فلسفہ کی تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حیا وقار ہوتی ہے اور کوئی حیا سکینت ہوتی ہے ہر حیا اچھی نہیں ہوتی اس کے بعض افراد اچھے ہیں اور بعض افراد اچھے نہیں ہیں اس پر حضرت عمران نے فرمایا کہ میں تجھ سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو میرے سامنے پنڈتوں کی باتیں کرتا ہے۔[1]

معاشرے میں گناہ اور جرائم کا پھیل جانا بنیادی طور پر حیا کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے اسی لئے نبی ﷺ نے حیا کو ایمان کا حصہ قرار دیا۔

اسی طرح نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَرّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَجُلٍ وَهُوَ يُعَاتِبُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ، يَقُولُ: إِنَّكَ لَتَسْتَحْيِي حَتَّى كَأَنَّهُ يَقُولُ: قَدْ أَضَرَّ بِكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" دَعْهُ فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ"))[2].

ترجمہ:

"عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کا گزر ایک شخص پر سے ہوا جو اپنے بھائی پر حیاء کی وجہ سے ناراض ہو رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ تم بہت شرماتے ہو، گویا وہ کہہ رہا تھا کہ تم اس کی وجہ سے اپنا نقصان کر لیتے ہو۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو کہ حیاء ایمان میں سے ہے۔"

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

ایک انصاری صحابی کو اللہ تعالیٰ نے شرم کا خاص وصف عطا فرمایا تھا ان کے بھائی ان کی اس حالت کو پسند نہیں کرتے تھے اور ان کو سمجھا رہے تھے کہ تم اس قدر حیا کیوں کرتے ہو۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی باتیں سن لی فرمایا آپ نے بھائی کو اس حال پر چھوڑ دو شرم تو ایمان کا جز ہے۔[3]

شرم وحیا کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حیا کو ایمان کا جز قرار دیا اور سارے اجزا مل کر ہی ایمان کو مکمل کرتے ہیں تو اگر حیا نہ ہو تو ایمان مکمل نہیں ہو گا۔اسی طرح حیا سے انسان بہت سارے گناہوں سے بچ جاتا ہے جب کہ بے حیا آدمی گناہوں میں میں خود بخود پڑ جاتا ہے۔

---

[1] عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب ،بَابُ الْحَيَاءِ، 13/690،ح:6117

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ الْحَيَاءِ، ،ح6118

[3] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ الْحَيَاءِ، ح6118

آسانی پیدا کرنے کے متعلق قول نبی ﷺ ہے:

((لَمَّا بَعَثَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَالَ لَهُمَا:" يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا، وَتَطَاوَعَا))"[1]

ترجمہ:

"سعید بن ابی بردہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ابوموسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ کو (یمن) بھیجا تو ان سے فرمایا کہ (لوگوں کے لیے) آسانیاں پیدا کرنا، تنگی میں نہ ڈالنا، انہیں خوشخبری سنانا، دین سے نفرت نہ دلانا اور تم دونوں آپس میں اتفاق سے کام کرنا۔"

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

نبی ﷺ کو لوگوں کے معاملے میں آسانی اور سہولت پسند تھی اور نبی ﷺ نے امت کو بھی یہ حکم دیا ہے کہ آسانی کرو اور تنگی میں مت ڈالو۔ سکون پہنچاؤ اور تکلیف نہ دو۔ نبی ﷺ نے اپنے گورنروں کو بھی یہی حکم دیا حضرت معاذؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن بھیجا تو فرمایا آپ دونوں آسانی کرنا اور سختی نہ کرنا۔ خوش خبری سنانا اور نفرت نہ کرنا اور دونوں آپس میں متفق رہنا۔[2]

نبی کریم ﷺ کا اپنے گورنروں کو آسانی کرنے کا اور سختی سے منع کرنے کا حکم دینا اس بات پر دلیل ہے کہ آسانی ہر چیز کو خوبصورت اور مزین کرتی ہے جبکہ سختی آسان چیز کو بھی مشکل بنا دیتی ہے۔

دوسری جگہ نبی رحمت ﷺ فرماتے ہیں:

((مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا، فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ،"))[3]

ترجمہ:

"عائشہؓ نے بیان کیا کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے ہمیشہ ان میں آسان چیزوں کو اختیار فرمایا، بشرطیکہ اس میں گناہ کا کوئی پہلو نہ ہوتا۔"

علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں کہ: (ماخير بين امرين نے الاختار ايسرهما) سے مراد دنیاوی امور ہیں اور (مالم يكن اثما) اس سے مراد اخروی امور ہے اس لیے کہ گناہ صرف اخروی امور میں ہوتا ہے۔ اعتراض کیا گیا

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، ح6124

[2] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، 11/125، ح6125

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، ح6126

اس باب میں نرمی کے متعلق دوسری حدیث اعرابی کی ہے جس میں وہ مسجد میں پیشاب کرتا ہے لیکن نبی کریم ﷺ اس کے لاعلمی کی وجہ سے اس پر کوئی سختی نہیں کی۔ یہ حدیث صفحہ ۱۲ پر بَابُ الرِّفْقِ فِي الأَمْرِ كُلِّهِ کے تحت ذکر ہے۔

کہ نبی کریم ﷺ کیسے ان دو امور میں سے ایک عمل کو اختیار کرتے تھے جس میں ایک گناہ کا کام ہو؟ اس کا جواب دیا گیا کہ اگر اختیار کفار کی طرف سے ہو تو ان میں سے جو گناہ کا کام ہے ان کو ترک کیا جاتا تھا اور اگر اختیار اللہ تعالی اور مسلمانوں کی طرف سے ہو تو اس میں سے وہ کام منتخب کیا جاتا تھا جو کہ گناہ کی طرف نہ لے جانے والا ہوں جیسے کہ عبادت میں مجاہدہ اور اقتصاد کا اختیار ہونا۔[1]

مشکل کام اختیار کر لینے سے بعد میں اکتاہٹ اور مایوسی ہوتی ہے اسی طرح دینی کاموں سے بھی دل بھر جاتا ہے۔ محمد ﷺ کی سنت ہے کہ دو کاموں کے کرنے کا اختیار ملے تو ان میں سے جو آسان ہو وہ اختیار کیا جائے اور خود کو مشکل میں نہ ڈالا جائے۔ اسی طرح دوسروں کیلیے بھی دو چیزوں میں اختیار دے دیا جائے تاکہ وہ بھی آسان کو اختیار کرلے۔ خوش طبعی کے متعلق قول نبی ﷺ ہے:

((إِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُخَالِطُنَا حَتَّى يَقُولَ لِأَخٍ لِي صَغِيرٍ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ."))[2]

ترجمہ:

''انس بن مالکؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ ہم بچوں سے بھی دل لگی کرتے، یہاں تک کہ میرے چھوٹے بھائی ابو عمیر نامی سے)مزاحاً (فرماتے »یا أبا عمیر ما فعل النغیر؟".'' «اے ابو عمیر! تیری نغیر نامی چڑیا تو بخیر ہے؟''

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

انس و محبت ایمانی صفت ہے۔ نبی کریم ﷺ محبت کے پیکر تھے اس لیے ہر مومن بھی انس و محبت کا مرکز ہونا چاہیے، وہ لوگوں سے محبت کرے تو دوسرے اس سے محبت کریں گے اور اس کی بات کو ترجیح دینگے۔ خشک مزاجی مومن کے شایان شان نہیں ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ بے تکلفی اور مزاح حد سے تجاوز نہ کرے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ''لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہا کرو، مگر اپنے دین کو ہرگز پس پشت نہ ڈالو. حد سے زیادہ مذاق نہ کرو یا کسی کی دل آزاری نہ کرو''۔[3]

بچوں سے محبت اور شفقت سے ان کے دل میں جگہ اور اچھی تربیت میں آسانی پیدا ہوتی ہے، جبکہ بچوں پر سختی کرنا ان کو بے ادب، باغی اور مایوس بناتے ہیں۔ نرمی کے متعلق نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ:" كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

---

[1] عینی، عمدہ القاری، کتاب الادب، بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا 22/262، ح6126

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ الِانْبِسَاطِ إِلَى النَّاسِ، ح6157

[3] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ الِانْبِسَاطِ إِلَى النَّاسِ، 11/127، 6029

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ لِي صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِي، فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ يَتَقَمَّعْنَ مِنْهُ فَيُسَرِّبُهُنَّ إِلَيَّ فَيَلْعَبْنَ مَعِي.")) [1]

ترجمہ:

"عائشہؓ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کے یہاں لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی تھی، میری بہت سی سہیلیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں، جب نبی کریم ﷺ اندر تشریف لاتے تو وہ چھپ جاتیں پھر نبی کریم ﷺ انہیں میرے پاس بھیجتے اور وہ میرے ساتھ کھیلتیں۔"

علامہ بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو سہیلیوں کے ساتھ کھیلنے کی اجازت دی اور ان کی سہیلیوں کو ان کے پاس بھیجا تاکہ وہ عائشہؓ کے ساتھ کھیلیں اور اس وقت حضرت عائشہؓ غیر بالغہ تھی، اس لئے ان کو رخصت دی اور بالغ لوگوں کے لیے کھیل کود میں شامل ہونا مکروہ ہے۔ امام نسائی نے اس کی تشریح کی ہے کہ کسی بندے کے لئے مباح ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو دوسرے سہیلیوں کے ساتھ کھیلنے کے لئے چھوڑے اور اس میں صغر اور کبر کی کوئی حد نہیں ہے۔ [2]

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے شفقت کا ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت عائشہؓ کی سہیلیوں کو کھیلنے کے لئے بھیجتے تھے۔ چھوٹوں اور بچوں پر شفقت اور ان کے ساتھ نرمی نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ بے جا سختی اور ان پر اور ان کو ہر بات پر ٹوکنا اور منع کرنا ان کو چڑچڑا نافرمان بناتا ہے۔ لوگوں خاطر مدارت اور مہمان نوازی کے متعلق ارشاد مبارکہ ہے:

((أَخْبَرَعائشة أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ، فَقَالَ:" ائْذَنُوا لَهُ، فَبِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ ..."، فَلَمَّا دَخَلَ أَلَانَ لَهُ الْكَلَامَ، فَقُلْتُ لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ قُلْتَ مَا قُلْتَ ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ فِي الْقَوْلِ، فَقَالَ:" أَيْ عَائِشَةُ إِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللَّهِ مَنْ تَرَكَهُ أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ.")) [3]

ترجمہ:

"عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ سے ایک شخص نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسے اندر بلا لو، یہ اپنی قوم کا بہت ہی برا آدمی ہے۔ جب وہ شخص اندر آ گیا تو نبی کریم ﷺ نے اس کے ساتھ نرمی کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے ابھی اس

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ الِانْبِسَاطِ إِلَى النَّاسِ ح6158

[2] عینی، عمدہ القاری، کتاب الادب، بَابُ الِانْبِسَاطِ إِلَى النَّاسِ 22/266 ح6130

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب المدارة مع الناس، ح6158

کے متعلق کیا فرمایا تھا اور پھر اتنی نرمی کے ساتھ گفتگو فرمائی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، عائشہ اللہ کے نزدیک مرتبہ کے اعتبار سے وہ شخص سب سے برا ہے جسے لوگ اس کی بد خلقی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔"

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

ابن بطال فرماتے ہیں کہ خاطر مدارت اخلاق حسنہ میں سے ہے۔اور لوگوں کے ساتھ عاجزی، گفتگو میں نرمی اور نرم لہجہ اختیار کرنا خاطر مدارت کہلاتا ہے جو کہ الفت محبت پیدا کرنے کا ایک سبب ہے۔ مدارات[1] اور مداہنت[2] میں فرق ہے۔

حضرت ابو درداءؓ کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ بد کرداری کی وجہ سے ہمیں اچھے نہیں لگتے اور ہمارے دل میں ان کے لئے نفرت ہوتی ہے۔ لیکن ہم جب ملتے ہیں تو خندہ پیشانی کے ساتھ اور بشاشت کے ساتھ ملتے ہیں اسی کو مدارات کہتے ہیں۔[3]

غیر مسلم اور دوسرے عقائد والوں سے خندہ پیشانی اور اچھے اخلاق سے پیش نہ آنے کی بڑی وجہ ان کی شخصیت سے نفرت اور ان سے ضد اور عناد ہے۔ حدیث سے خندہ پیشانی اور اور ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ ملنے کی ترغیب اور اس کی اہمیت پر تاکید ہے فرمائی ہے۔ حدیث میں کہ ہم جن کے ساتھ اسلام دشمنی کی وجہ سے بغض اور نفرت رکھتے تھے لیکن عام زندگی میں ان کا استقبال خندہ پیشانی کے ساتھ اور کھلے چہرے کے ساتھ کیا کرتے تھے اور اور یہی حسن اخلاق اور حسن معاشرت کا تقاضہ ہے۔ مہمان نوازی کے متعلق نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے:

((فَزَارَ سَلْمَانُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فَرَأَى أُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً، فَقَالَ لَهَا: مَا شَأْنُكِ؟ قَالَتْ: أَخُوكَ أَبُو الدَّرْدَاءِ لَيْسَ لَهُ حَاجَةٌ فِي الدُّنْيَا، فَجَاءَ أَبُو الدَّرْدَاءِ فَصَنَعَ لَهُ طَعَامًا، فَقَالَ: كُلْ فَإِنِّي صَائِمٌ، قَالَ: مَا أَنَا بِآكِلٍ حَتَّى تَأْكُلَ فَأَكَلَ))[4]

ترجمہ: "ایک مرتبہ سلمان، ابو درداءؓ کی ملاقات کے لیے تشریف لائے اور ام الدرداءؓ کو بڑی خستہ حالت میں دیکھا اور پوچھا کیا حال ہے؟ وہ بولیں تمہارے بھائی ابو درداء کو دنیا سے کوئی سروکار نہیں۔ پھر ابو درداء تشریف لائے تو سلمانؓ نے ان کے سامنے کھانا پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کھایئے، میں روزے سے ہوں۔ سلمان فارسیؓ بولے کہ میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا۔ جب تک آپ بھی نہ کھائیں۔ چنانچہ ابو درداء نے بھی کھایا۔"

---

[1] مدارات: نرم رویہ اختیار کرنے کو کہتے ہیں۔

[2] مداہنت: کسی مخالف پر باوجود قدرت کے خاموشی اختیار کرنا اگرچہ دل سے نہ ہو۔

[3] عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب بَابُ عَلاَمَةِ حُبِّ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، 14/527ح:5780

[4] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ صُنْعِ الطَّعَامِ وَالتَّكَلُّفِ لِلضَّيْفِ، ح669

علامہ بدر الدین عینیؒ فرماتے ہیں:

مہمان کے آرام و سکون کا خیال اور ان کے لیے پر تکلف ضیافت نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ میں سے ہے۔ جیسے کہ ابراہیم خلیل اللہؑ نے مہمانوں کے لیے ذبیحہ کا اہتمام کیا۔ اہل تاویل فرماتے کہ مہمان حضرت جبرائیلؑ، میکائیلؑ اور اسرافیلؑ تھے۔ جس طرح حدیث مبارکہ سے صحابہ کرام کا ایک دوسرے کو ترجیح ثابت ہے، تو اس سے مہمان کے اکرام اور ضیافت اور اس کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید ہے۔[1]

مہمان نوازی میں کمی کی وجہ مہمان کیلئے دل میں عزت و تکریم اور احترام کی کمی ہے۔

بڑوں کی عزت و تکریم:

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" أَخْبِرُونِي بِشَجَرَةٍ مَثَلُهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَلَا تَحُتُّ وَرَقَهَا، فَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ فَكَرِهْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ، ------ قَالَ: مَا مَنَعَنِي إِلَّا أَنِّي لَمْ أَرَكَ وَلَا أَبَا بَكْرٍ تَكَلَّمْتُمَا فَكَرِهْتُ.))[2]

ترجمہ:

''عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس درخت کا نام بتاؤ، جس کی مثال مسلمان کی سی ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے رب کے حکم سے پھل دیتا ہے اور اس کے پتے نہیں جھڑا کرتے۔ میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں نے کہنا پسند نہیں کیا۔----- صرف اس وجہ سے میں نے نہیں کہا کہ جب میں نے آپ کو اور ابو بکرؓ جیسے بزرگ کو خاموش دیکھا تو میں نے آپ بزرگوں کے سامنے بات کرنا برا جانا۔''

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

ایک مجلس میں اگر بڑا اور چھوٹا دونوں علم میں برابر ہوں تو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ بڑے کو مقدم کرنا چاہیے اور اگر چھوٹے کے پاس وہ علم ہے جو بڑے کے پاس نہیں ہے تو بڑے کے ہوتے ہوئے چھوٹے کو کلام سے منع نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ عمرؓ نے اس بات پر افسوس کیا کہ اس کے بیٹے نے نبی کریم ﷺ کی مجلس میں کلام کیوں نہ کیا۔ اگرچہ بیٹے نے عذر کیا کہ اس وقت عمر اور ابو بکرؓ وہاں موجود تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے افسوس کیا کہ

---

[1] عینی، عمدۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ صُنْعِ الطَّعَامِ وَالتَّكَلُّفِ لِلضَّيْفِ:، 22/275، ح6139

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ إِكْرَامِ الْكَبِيرِ وَيَبْدَأُ الأَكْبَرُ بِالْكَلاَمِ وَالسُّؤَالِ، ح6176

(مشہور حدیث ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جب نبی کریم ﷺ نے درخت کے بارے میں پوچھا تو میرے ذہن میں کھجور کا درخت آ گیا تھا لیکن میں نے اچھا نہیں جانا کہ ابو بکر اور عمرؓ مجلس میں موجود ہو اور میں جواب دوں)

جب آپ کو علم تھا تو آپ نے جواب کیوں نہیں دیا؟[1]

نئی نسل میں ادب اور عزت کی کمی کی بنیادی وجہ ان کی پرورش میں کوتاہی ہے۔اسی طرح ان کو فراہم کردہ ماحول بھی ہے کہ آج کل کے ماحول میں بڑوں کا ادب واحترام نہیں کیا جاتا۔ادب اسلام کے ایک بنیادی اور ضروری امر ہے اور حسن معاشرت کی تکمیل ادب کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ایک باادب بندہ اپنی مراد پاتا ہے اور بے ادب بندہ نامراد رہتا ہے قرآن مجید میں اللہ تعالی نے والدین کو اف تک نہ کہنے کا حکم دیا ہے تو اس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ والدین، بڑوں اور رشتہ داروں کے خلاف ذہن میں یا دل میں بے ادبی کا شائبہ تک نہیں پایا جانا چاہیے۔

مہمانوں کو خوش آمدید اور مرحبا کہنے کے متعلق فرمان رسول ﷺ ہے:

((لَمَّا قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" مَرْحَبًا بِالْوَفْدِ الَّذِينَ جَاءُوا غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى.")) [2]

ترجمہ:

"ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ جب قبیلہ عبدالقیس کا وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مرحبا ان لوگوں کو جو آن پہنچے تو نہ وہ ذلیل ہوئے، نہ شرمندہ)خوشی سے مسلمان ہو گئے ورنہ مارے جاتے شرمندہ ہوتے۔"

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

ہر زبان میں استقبال کے لیے مخصوص کلمات ہوتے ہیں اور انہی کلمات سے آنے والے مہمان کا استقبال کیا جاتا ہے۔اور وہ کلمات ادا کیے جاتے ہیں جیسے کہ فارسی میں "خوش آمدید" ہے اسی طرح عربی میں مرحبا اور "اہلا وسہلا " ہے کہ اس طرح کے کلام کا استعمال نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔مرحبا مفعول بہ یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔اصمعی[3] اس کا معنی بیان کرتے ہیں کہ " القيت رحبا وسعة" یعنی آپ کشادگی اور اور وسعت پائیں۔[4]

آج کل مرحبا اور خوش آمدید کہنے کے طریقے اور الفاظ ناپید ہو رہے ہیں۔اس کی وجہ لوگوں کا ان پہلوؤں کو کمزور

---

[1] عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب، بَابُ إِكْرَامِ الْكَبِيرِ وَيَبْدَأُ الأَكْبَرُ بِالْكَلاَمِ وَالسُّؤَالِ، 10/685، ح6144

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ قول الرجل مرحبا، ح6406

[3] اصمعی عرب کے ایک نامور ادیب تھے۔اصمعی بصرہ میں پیدا ہوئے اور تعلیم بھی یہیں حاصل کی۔ بصرہ کے علما سے استفادہ کرنے کے علاوہ قبائل عرب کے ساتھ رہ کر ان سے لغات، اشعار اور اخبار کا بے پایاں ذخیرہ جمع کیا اور اسے رسائل کی صورت میں مدون کیا۔ اصمعی بالخصوص عربی لغت کا بے نظیر ماہر تھا۔

[4] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب،، بَابُ قول الرجل مرحبا، 22/595، ح5822

سمجھنا ہے اور اسلامی شاعر سے لاپرواہی کے سبب شعائر اسلام میں کوتاہی کی جاتی ہے۔ کسی کو مرحبا کہنا اور خوش آمدید کہنا نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو خوش آمدید کہا اسی طرح حضرت ام ہانیؓ کو بھی خوش آمدید کہا۔ خوش آمدید اور استقبال کرنے میں لوگوں کی تکریم اور عزت ہے اور اس سے محبت و قربت پڑتی ہے۔ ایک بہترین معاشرے کا بنیادی وصف یہ ہے کہ ایک دوسرے کی عزت و تکریم ہو اور ایک دوسرے کو عزت دیا جائے۔

آداب کے متعلق نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارکہ ہے:

((عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَشَمَّتَ أَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الْآخَرَ فَقِيلَ لَهُ، فَقَالَ:" هَذَا حَمِدَ اللَّهَ، وَهَذَا لَمْ يَحْمَدِ اللَّهَ.")) [1]

ترجمہ:

"انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس دو اصحاب چھینکے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک کا جواب یرحمک اللہ (اللہ تم پر رحم کرے) سے دیا اور دوسرے کا نہیں۔ نبی کریم ﷺ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ اس نے الحمدللہ کہا تھا (اس لیے اس کا جواب دیا) اور دوسرے نے الحمدللہ نہیں کہا تھا۔"

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ تشمیت [2] کے متعلق حلیمیؒ نے فرمایا کہ چھینکنے والے کے واسطے جو الحمدللہ مشروع ہے تو اس میں حکمت یہ ہے کہ چھینک دماغ سے سے تکلیف کو دفع کرتی ہے اس سے انسان کی فکری قوت کو طاقت ملتی ہے اور ان پٹھوں کو طاقت ملتی ہے جس کی وجہ سے سارے اعضا کام کرتے رہتے ہیں، تو یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کی وجہ سے چھینک کے بعد الحمد للہ کہنا مشروع ہے۔ چھینکنے والا چھینک کے وقت اپنی آواز کو پست رکھا کرے، الحمدللہ کہے، منہ کو ڈھانپے، چھینک کے وقت گردن کو دائیں بائیں نہ پھیرے۔ [3]

اسلام ہمیں روزمرہ کے سب اعمال کا شرعی طریقہ بتاتا ہے، لیکن ہم اپنی سستی کی وجہ سے ان اعمال پر توجہ نہیں دیتے ان کو کمزور سمجھتے ہیں اور ضائع کر دیتے ہیں، چاہے وہ کام ہے فطرتاً ہو یا ارادۃً ہو، تو اگر کوئی بندہ روزمرہ کے افعال کو دینی اور شرعی طریقہ کار کو مد نظر رکھ کر سر انجام دیتا ہے تو اس کو ثواب ملتا ہے، اور جو بندہ اسلامی قواعد اور ضوابط، اسلامی اصول اور شرعی امور کو مد نظر نہیں رکھتا تو اس کو کوئی ثواب نہیں ملتا۔ نبی کریم ﷺ نے چھینک کے بعد الحمد اللہ کہنے والے کو جواب دیا اور نہ کہنے والے کو جواب نہیں دیا تو اس میں امت کے لئے سبق ہے کہ جو بھی چھینکے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ الحمدللہ کہے اور اللہ تعالی کا شکر ادا کرے۔ نبی رحمت ﷺ فرماتے ہیں:

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب الحمد للعاطس، ح6235

[2] تشمیت: مطلب ہے چھینک کا جواب دینا یعنی چھینکنے والے کے واسطے برکت کی دعا کرنا

[3] عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب، باب الحمد للعاطس، 10/734، ح6221

((عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ:" أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ: أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ، --، وَتَشْمِيتِ الْعَاطِسِ، ----- الی آخر الحدیث))[1]

ترجمہ:

"براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہمیں نبی کریم ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا تھا اور سات کاموں سے روکا تھا، ہمیں نبی کریم ﷺ نے بیمار کی مزاج پرسی کرنے----، چھینکنے والے کے جواب دینے کا حکم دیا ہے---"

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

امام نوویؒ نے فرمایا کی لفظ "تشمیت" اصل میں "تسمیت" سین کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں ہداک اللہ الی السمت، سمت طریقہ، سیرت اور طرف کو کہتے ہیں پھر سین کو شین سے بدل دیا گیا ہے جس کے معنی ہیں چھینکنے والے کے لیے رحمت کی دعا کرنا اور یرحمک للہ کہنا۔ علامہ ابن عبد البر[2] التمہید میں فرماتے تشمیت[3] معنی ہیں اللہ تعالی آپ کو دشمنوں کی شماتت اور ہنسی سے محفوظ رکھے اور تسمیت کی معنی ہیں اللہ تعالی آپ کو اچھی سیرت پر قائم کردے۔

اس باب میں امام بخاریؒ تشمیت کی مشروعیت کو بیان فرما رہے ہیں کہ چھینکنے والا اگر الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنے کا حکم سنت علی الکفایہ ہے۔ مجلس میں کسی ایک نے جواب دے دیا تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گی یہ حضرت شافعی کا قول ہے۔

ظاہری، مالکیہ کے نزدیک فرض عین ہے۔

حضرات حنفیہ، حنابلہ شوافع اور مالکیہ کے نزدیک فرض کفایہ ہے حافظ ابن حجرؒ نے اسی مسلک کو ترجیح دی ہے۔ اگر چھینکنے والا الحمد للہ کہے، اور مجلس میں ایک بندے نے جواب دے دیا تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا۔

تشمیت کا حکم تین آدمیوں کے لئے نہیں ہے۔ ایک وہ شخص ہے جس نے الحمد للہ نہیں کہا۔ دوسرا کافر اور تیسرا زکام والا شخص ان کے چھینکنے کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا مشروع نہیں۔[4]

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ تَشْمِيتِ الْعَاطِسِ إِذَا حَمِدَ اللَّهَ، ح6254

[2] ابن عبد البر القرطبیؒ) پیدائش 29 :نومبر 978 ء –وفات 4 :فروری 1071 ء (حدیث اور فقہ کے امام و مجتہد جنھوں نے اپنے عہد کے اکابر اساتذہ سے حدیث سنی اور احادیث کے حفظ وضبط کے حوالے سے 'حافظ مغرب' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ طلبہ اور علما دور دراز علاقوں سے سفر کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل کرتے۔ مختلف شہروں کی سیر وسیاحت بھی کی۔ ادبی علوم اور بلاغت میں کمال ہونے کے علاوہ مقدمات میں بڑے صحیح فیصلے کرتے۔ کئی علمی وادبی کتابوں کے مصنف ہیں۔

[3] (وفي معناه ابعد الله عليك الشماته وجنبك ما يشمت به عليك) (واماالتسميت: فمعناه جعلك الله على سمت حسن)

[4] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ تَشْمِيتِ الْعَاطِسِ إِذَا حَمِدَ اللَّهَ، 2/653ح5868

ہم سستی اور تساہلی کی وجہ سے ان اعمال کا خیال نہیں رکھتے۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم ان کو اہم اور ضروری نہیں سمجھتے تو اس لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کو تفصیل کو ساتھ واضح کیا ہے بڑے بڑے احکام و مسائل کے ساتھ روز مرہ پیش آنے والے چھوٹے چھوٹے مسائل کی بھی توضیح و تشریح کی ہے جیسے کہ چھینکنے والے کا جواب دیا جائے۔ اور یہی حسن معاشرت ہے کہ انسان اپنے ارد گرد رہنے والے لوگوں کے چھوٹے بڑے سارے حقوق کا خیال رکھے اور ان کی ادائیگی کرے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((فَإِذَا تَثَاوَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا تَثَاءَبَ ضَحِكَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ.))[1]

ترجمہ:

"جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو وہ اپنی قوت وطاقت کے مطابق اسے روکے۔ اس لیے کہ جب تم میں سے کوئی جمائی لیتا ہے تو شیطان ہنستا ہے۔"

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

جمائی کا تعلق سستی کے ساتھ ہے اور اور یہ کاہلی کی علامت ہے۔ بدن کے بوجھل ہونے کے سبب سے پیدا ہوتی ہے اس لیے یہ ناپسندیدہ ہے۔ چونکہ جمائی شیطان کی طرف سے ہے تو اس لیے حتی الوسع کوشش کرنی چاہیے کہ اس کو روکا جائے، جمائی لیتے وقت جب کوئی شخص آواز نکالتا ہے تو شیطان خوش ہوتا ہے۔[2]

جمائی ایک ناپسندیدہ عمل ہے ارد وسروں کو اس سے کراہت ہوتی ہے۔ لیکن ہم اس کا احساس نہیں کرتے اور اس کو دوسروں کی تکلیف کا ذریعہ ہی نہیں سمجھتے۔ جمائی چونکہ سستی اور کاہلی علی کی علامت ہے اور اور سستی اور کاہلی سے شیطان خوش ہوتا ہے ہے تو اس نے جمائی لیتے وقت وقت بھرپور کوشش کرنی چاہیے کی جمائی کو روکا جائے۔ وگرنہ منہ پہ ہاتھ رکھنا چاہیے۔

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ إِذَا تَثَاوَبَ فَلْيَضَعْ يَدَهُ عَلَى فِيهِ، ح6235

[2] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب، بَابُ كَيْفَ يَكُونُ الرَّجُلُ فِي أَهْلِهِ 22/226، ح5869

فصل سوم

انفرادی اخلاق رذیلہ اور تدارک

ایک معاشرے میں حسن معاشرت کی روایت کو برقرار رکھنے کے لیے معاشرے کے ہر ایک فرد کو تمام اخلاقی برائیوں سے بچنا پڑے گا جو کہ اس معاشرے اور حسن معاشرت کی ساکھ کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ہر وہ اخلاقی برائی جو ایک انسان کو گناہ اور غلط کام کرنے پر ابھارے وہ اخلاقی برائی میں شامل ہیں۔ اخلاق رذیلہ کو ترک کرنا اور اس سے بچنا نہ صرف ثواب کا باعث ہے بلکہ ایک معاشرے کو بگاڑ سے بھی بچاتا ہے۔

مندرجہ ذیل میں کچھ احادیث ذکر کیے جارہے ہیں جن میں اخلاق رذیلہ کا ذکر ہے اور ان سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

((قَالَ: إِنَّ جُبَيْرَ بْنَ مُطْعِمٍ، أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:" لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ))[1]

ترجمہ:

"جبیر بن مطعمؓ نے خبر دی انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، نبی ﷺ نے فرمایا کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔"

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں

رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ قطع تعلقی کرنے والا سنگین گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا، جو اپنے رشتہ داروں کا خیال نہیں رکھتا، ان کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے یہ ان کے لیے ایک بڑی وعید ہے تو یہ شخص اس گناہ کی گندگی کے ساتھ جنت میں جانے کے قابل نہیں ہے، سزا پا کر یا معافی مل جائے تو وہ دوسری بات ہے۔[2]

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

یہاں پر قطع رحمی کرنے والے کے گناہ اور سزا کا ذکر ہے۔ حدیث میں ہے کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا کیونکہ قطع رحمی گناہ کبیرہ ہے، اور گناہ کبیرہ کا مرتکب اہل سنت کے ہاں جنت میں داخل ہونے کا مستحق نہیں۔ بلکہ وہ جنت میں تحت المشیہ داخل ہوتا ہے اور تحت المشیہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کو معاف فرمادیں گے اور دوزخ

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ اثم القاطع، ح6010

[2] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ اثم القاطع، 55/11، ح5984

میں نہیں جائے گا، اور یا وہ دوزخ میں جائے گا اور اپنی سزا کاٹ کر بعد میں جنت میں داخل ہو گا۔ جنت میں داخل نہ ہونے کا مطلب یا تو جنت کا مستحق نہیں ہو گا یا یہ زجر و توبیخ پر محمول ہے اور یا وہ لوگ ہیں جو قطع تعلقی کو جائز سمجھتے ہوں۔[1]

رشتوں کی اہمیت دلوں سے ختم ہو گئی ہے۔ مادی اشیا کی محبت میں ہم بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ قطع رحمی اور قطع تعلقی بہت بڑا گناہ ہے جیسا کہ حدیث شریف سے ظاہر ہے۔ قطع رحمی کرنے والا جہنم میں جائے گا۔ قرآن کریم اور احادیث میں قطع رحمی سے بچنے اور تعلق جوڑنے کے بارے میں بہت سارے احکام ہیں، ایک معاشرے کی خوبصورتی اور اس کا حسن یہ ہے کہ اس کے سارے کے سارے افراد نے ایک دوسرے سے باہم جڑے ہوئے ہوں۔

روزمرہ کے آداب کے متعلق نبی ﷺ کا قول ہے:

((نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَضْحَكَ الرَّجُلُ مِمَّا يَخْرُجُ مِنَ الْأَنْفُسِ))[2]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے کسی کی ریح خارج ہونے پر ہنسنے سے منع فرمایا۔

لا یسخر نہی ہے اور مسخرہ پن کرنے والے کو ساخر کہتے ہیں ساخر سے مراد وہ بندہ ہے جو دوسروں کا مذاق اڑائے۔ اور مذاق اڑانے سے سامنے والے کی عزت مجروح ہو جاتی ہے اور اس کی بے عزتی ہوتی ہے۔ دراصل مذاق اڑانے والا دوسرے کو حقیر جانتا ہے اس لئے اس کا مذاق اڑاتا ہے اور اس کی کی بے عزتی کی کوشش کرتا ہے۔ مسلم میں ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ مرد کے برائی کیلئے کافی ہے کہ وہ اپنے بھائی مسلمان کو حقیر جانے۔[3]

کسی کا مذاق اڑانا دراصل اس کو حقیر جاننا ہے اور اسلام میں حقیر جاننے کو برا کہا گیا ہے اور اس کی اس سے منع کیا گیا ہے۔ لڑائی، جھگڑے اور فساد کی ابتدا در حقیقت کسی کو حقیر جاننے سے اور اس کی کی عزت و توقیر میں کمی کرنے سے ہوتی ہے۔ حسن معاشرت کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کے ہر ایک فرد کی عزت اور تکریم کی جائے۔

مومن کی عزت و حرمت کے متعلق قول نبی ﷺ ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" سِباب الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ))[4]

---

1 سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ طِيبِ الْكَلاَمِ، 384/2ح 5638

2 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ} إِلَى قَوْلِهِ: {فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ}، ح 6071

3 عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ} إِلَى قَوْلِهِ: {فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ} 596/13ح: 6042

4 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ السِّبَابِ وَاللَّعْنِ، ح 6073،

ترجمہ:

''عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔''

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

گالیاں دینا اور لعنت بھیجنا اخلاق رذیلہ میں سے ہے، اس لیے احادیث میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے نبی کریم ﷺ نے گالی دینے والے کو فاسق کہا ہے۔ حدیں دو ہیں۔ دین داری کی حد اور دین کی حد۔ دین داری کے حد سے جو نکل جاتا ہے وہ فاسق ہے اور دین کی حد سے جو نکل جاتا ہے وہ کافر ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ گالی دینا حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے مگر کبھی آخری درجہ کے کبیرہ گناہ پر بھی کفر کا اطلاق کیا جاتا ہے جیسے جان بوجھ کر نماز چھوڑنا آخری درجہ کا کبیرہ گناہ ہے چنانچہ اس پر بھی اس حدیث میں بھی کفر کا اطلاق آیا ہے اسی طرح مسلم کا قتل کرنا آخری درجہ کا کبیرہ گناہ ہے تو اس پر بھی کفر کا اطلاق آیا۔[1]

مادی ترقی اور پیسے کی لالچ میں لوگ اخلاق کو بھول جاتے ہیں دوسرے کو حقیر جانے کی وجہ سے اس میں برے اعمال سے اس کے ساتھ برے اخلاق سے پیش آتے ہیں۔ بداخلاقی ہر بات کو بدنما بنا دیتی ہے اور اور بد اخلاق انسان لوگوں کے نظروں میں گر جاتا ہے۔ گالی دینا، لعنت کرنا اور برا بھلا کہنا بہت بڑی بداخلاقی ہے۔ لوگ نرم اور خوشنما بات کرنے والے کے قریب آتے ہیں اور بداخلاقی کرنے والے، گالی دینے والے اور لعنت کرنے والے سے لوگ کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔

انسؓ نے فرمایا

((لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا لَعَّانًا وَلَا سبابا، كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ:" مَا لَهُ تَرِبَ جَبِينُهُ))[2]

ترجمہ:

''رسول ﷺ فحش گو نہیں تھے، نہ آپ لعنت ملامت کرنے والے تھے اور نہ گالی دیتے تھے، آپ کو بہت غصہ آتا تو صرف اتنا کہہ دیتے، اسے کیا ہو گیا ہے، اس کی پیشانی پہ خاک لگے۔''

اسی باب کی اگلی حدیث ان الفاظ کی زیادتی کے ساتھ ذکر ہے۔(لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ، إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَلِكَ)

[1] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بابُ مَا يُنْهَى مِنَ السِّبَابِ وَاللَّعْنِ، 76/11، ح6025

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بابُ مَا يُنْهَى مِنَ السِّبَابِ وَاللَّعْنِ، ح6075

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کا طریقہ اور نبی ﷺ کے اخلاق مبارکہ کا ذکر ہے۔ قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ کو خلق عظیم کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے، نبی کریم ﷺ کے اخلاق پوری امت محمدی کیلئے ایک نمونہ ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ اخلاق کے جس مرتبے پر فائز تھے اگر ہم اس اخلاق حسنہ کو اپنانے کی کوشش کریں تو ہم بھی دنیا اور آخرت میں بہترین مقام پا سکتے ہیں۔

برا بھلا اور غلط باتیں انسان تب کرتا ہے جب وہ بے حیا ہو جاتا ہے۔ حیا ایک بہترین صفت ہے جب حیا ختم ہوتی ہے تو انسان غلط باتوں سے باز نہیں آتا۔ نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی لعنت اور گالی نہیں دی۔ بشری تقاضا ہونے کے ناطے جب کبھی نبی کریم ﷺ کو غصہ آتا تھا تو وہ صرف اتنے الفاظ کہتے تھے کہ اس کی پیشانی پر خاک لگے۔ اخلاق عالیہ ہونے کے ناطے غیر مسلم اور نبی ﷺ کے دشمن بھی نبی کریم ﷺ کے عدل و انصاف اور اخلاق کی تعریف کیا کرتے تھے۔ اخلاق حسنہ بنیادی طور پر بہت سارے اچھے خصلتوں کا مبداء اور جڑ ہے۔ اچھے اخلاق حامل انسان دراصل معاشرے میں عزت و تکریم کا قابل سمجھا جاتا ہے۔ اپنے اچھے اخلاق اور بہترین رویہ کی وجہ سے وہ بہت سارے گناہوں سے کنارہ کشی بھی اختیار کرتا ہے۔

غضب اور غصہ کے وقت نبی ﷺ کا امر:

((اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَغَضِبَ أَحَدُهُمَا فَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتَّى انْتَفَخَ وَجْهُهُ وَتَغَيَّرَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ:" إِنِّي لَأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ الَّذِي يَجِدُ.....، وَقَالَ: تَعَوَّذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ))[1]

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ کے سامنے دو آدمیوں نے آپس میں گالم گلوچ کی۔ ایک صاحب کو غصہ آ گیا اور بہت زیادہ آیا، ان کا چہرہ پھول گیا اور رنگ بدل گیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس وقت فرمایا کہ مجھے ایک کلمہ معلوم ہے کہ اگر (غصہ کرنے والا شخص) اسے کہہ لے تو اس کا غصہ دور ہو جائے گا۔۔۔۔ اور کہا "شیطان سے اللہ کی پناہ مانگ لو"۔

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

لڑائی جھگڑے اور غصے کے دوران نبی کریم ﷺ نے کہا میں ایسا کلمہ جانتا ہوں اگر یہ شخص اس کو پڑھ لے تو اس کا غصہ ختم ہو جائے گا۔ اس کو نبی کریم ﷺ کی بات پہنچائی گئی لیکن اس نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ میں غصے میں ہوں ، کوئی پاگل تو نہیں کہ اعوذ باللہ پڑھ لوں۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ خبر دینے والا شخص حضرت معاذ بن جبلؓ تھے اور حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ مجھے ان دو آدمیوں کے نام معلوم نہیں ہو سکے جو لڑائی کر رہے تھے یہ آدمی یا تو منافق تھا یا کافر

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بابُ مَا يُنْهَى مِنَ السِّبَابِ وَاللَّعْنِ، ح6077

تھا یا کوئی دیہاتی مسلمان تھا، اور اسے معلوم نہیں تھا کہ غصہ کے وقت تعوذ پڑھنا چاہیے۔ سنن ابی داؤد میں ان الغضب من الشیطان آیا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ غصہ کے وقت بھی تعوذ پڑھنا چاہیے۔[1]

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غصہ شیطان کی طرف سے ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ نے غصہ کرنے والے شخص کو "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھنے کی تلقین کی کہ وہ شیطان سے پناہ مانگے گا تو اس کا غصہ ختم ہو گا غصہ شیطان کی طرف سے ہے تو یقینا ایک بری چیز ہے اسی لیے غصہ کرنے والے شخص کے لئے ملامتی کرنا، لعنت کرنا اور سب و شتم کرنا نہایت آسان ہوتا ہے اور غصہ اس کا سبب بنتا ہے۔

فرمان رسول ﷺ ہے:

((خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِيُخْبِرَ النَّاسَ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: " خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ فَتَلَاحَى فُلَانٌ وَفُلَانٌ وَإِنَّهَا رُفِعَتْ، وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَكُمْ، فَالْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ.")) [2]

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ لوگوں کو لیلۃ القدر کی بشارت دینے کے لیے حجرے سے باہر تشریف لائے، لیکن مسلمانوں میں سے دو آدمی اس وقت آپس میں کسی بات پر لڑنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں (لیلۃ القدر کے متعلق) بتانے کے لیے نکلا تھا لیکن فلاں فلاں آپس میں لڑنے لگے اور (میرے علم سے) وہ بات اٹھالی گئی۔ ممکن ہے کہ یہی تمہارے لیے اچھا ہو۔ اب تم اسے 29 رمضان اور 27 رمضان اور 25 رمضان کی راتوں میں تلاش کرو۔"

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

"فتلاحی" کے معنی لڑنے جھگڑنے کے ہیں اسی جملے کے مناسبت سے امام بخاریؒ نے اس حدیث کو جھگڑنا اور مومن لعن طعن اور گالی گلوچ کا سبب بنتا ہے یہ جو لڑنے والے آدمی کا بن مالک اور عبداللہ بن ابی حدرد تھے نبی کریم ﷺ شب قدر کی خبر دینے کے لئے آرہے تھے مگر تو صحابہ کے لڑائی کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے ذہن سے شب قدر کی تعیین اٹھالی گئی۔

لڑائی اور جھگڑے کی نحوست اتنی زیادہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے حافظے سے مقدس دن کی تعیین اٹھالی گئی اور دوسرا یہ کہ اس میں بہتری اس وجہ سے ہے کہ مبہم رکھنے میں لوگ اس رات کی تلاش میں ساری راتوں میں عبادت کریں گے اگر وہ رات متعین کر دی جاتی تو دوسری راتوں سے لوگوں کی توجہ ہٹ جاتی۔[1]

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب،، بابُ مَا يُنْهَى مِنَ السِّبَابِ وَاللَّعْنِ 428/22، ح 5701

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بابُ مَا يُنْهَى مِنَ السِّبَابِ وَاللَّعْنِ، ح 6078

عدم برداشت ایک دوسرے سے نفرت کرنا، لڑائی، جھگڑا اور قتال کے اسباب ہیں۔لڑائی جھگڑا اور قتال معاشرے کے سکون کی بربادی کا سبب بنتے ہیں اس کی وجہ سے ایک پرامن معاشرے میں دہشت اور خوف پھیلتا ہے۔اگر ایک معاشرے کے لوگ سکون سے نہ ہو تو حسن معاشرت اختیار نہیں کر سکتے قرآن وحدیث میں لڑائی جھگڑا کرنے والے اور ملامت ولعن طعن کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں ہر ایک کو گھر میں ہی ایسا ماحول بنانا چاہیے۔انسان گالم گلوچ اور غلط الفاظ سے دور رہے اسی طرح بچوں کی تربیت بھی ایسی ہو کہ معاشرے میں میں بہتر اور مثبت کردار ادا کر سکیں۔

روزمرہ کے آداب اور صفائی کے متعلق قول رسول ﷺ ہے:

((مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺعَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ:" إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا هَذَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَأَمَّا هَذَا فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ۔))[2]

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے اور فرمایا کہ ان دونوں مردوں کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب میں گرفتار نہیں ہیں بلکہ یہ ایک قبر کا مردہ (اپنے پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا) یا پیشاب کرتے وقت پردہ نہیں کرتا تھا (اور یہ (دوسری قبر والا مردہ) چغل خور تھا۔"

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

چغل خوری اور پیشاب سے بچنا ایسے کام نہیں کہ جو آدمی کیلئے مشکل ہو اور اس سے بچنا دشوار بھی نہیں ہے۔حدیث چغلی کرنے کے بارے میں ہے اور یہ غیبت کے باب میں ذکر ہے۔ابن تینؒ نے فرمایا کہ بخاریؒ نے یہ حدیث اس باب کے ذیل میں ذکر فرمائی ہے کہ دونوں میں ایک جیسی برائی ہے کہ جس کے بارے میں بولا جائے تو اس کو برا لگے کرمانیؒ نے فرمایا کہ غیبت ایک قسم کی چغلی ہے اور چغلی کی بعض صورتوں میں غیبت بھی پائی جاتی ہے۔[3]

غیبت اور چغل خوری چونکہ بہت سارے گناہوں کے سبب بنتے ہیں۔اسی طرح لڑائی جھگڑے اور قتل کے بھی سبب بنتے ہیں۔غیبت میں لوگوں میں موجودہ برائی کا ذکر ہوتا ہے، پھر بھی اس کو اس کو منع کر دیا گیا ہے اور اس سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے جبکہ چغلی میں اس سے زیادہ شدت پائی جاتی ہے اور لوگوں پر الزام لگایا جاتا ہے اس لئے سے بچنے کی تاکید ہے۔نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ ان دونوں بندوں کو ان وجوہات کی بنا پر عذاب دیا جا رہا ہے حالانکہ یہ دونوں وجوہات لوگوں میں اتنے بڑے گناہ تصور نہیں کیے جاتے۔

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب، بابُ مَا يُنْهَى مِنَ السِّبَابِ وَاللَّعْنِ22/429،ح5702

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بابُ الغِيبَةِ، ح6081

[3] عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب بابُ الغِيبَةِ، ج13/605ح:6052

دوسروں کے کاموں میں دخل اندازی کی ممانعت کے متعلق نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((عن ابي هريرة ، عن النبي ﷺ، قال: " من اطلع في بيت قوم بغير إذنهم فقد حل لهم ان يفقئوا عينه))[1]

ترجمہ:

''سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی جھانکے کسی قوم کے گھر میں بغیر ان کی اجازت کے تو ان کو حلال ہے اس کی آنکھ پھوڑنا۔''

کسی اور کے کام میں دخل اندازی کرنا اپنے کام سے اخلاص مخلص نہ ہونے کی علامت ہے۔ اپنے کام میں یکسوئی نہ ہو تو دوسروں کے کام میں دخل اندازی کی جاتی ہے۔ کسی اور کے کاموں میں دخل اندازی نہ کرنا اور اپنے کام سے کام رکھنا اسلامی تعلیمات ہیں۔ کسی اور کے گھر میں تانک جھانک کرنے والے کی آنکھ پھوڑ دینے دینے کی اجازت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل کتنی شدید ہے ہے اور اس کی کتنی اہمیت ہے۔ کسی اور کے معاملات میں دخل اندازی کرنے سے کئی قباحتیں لازم آتی ہیں، کہ سامنے والا اپنی مرضی سے اور آزادانہ طریقے سے وہ کام نہیں کر پاتا پتا جس کے لیے اس کو علیحدگی ضروری ہوتی ہے اسی طریقے سے نہیں کر پاتا جس طرح وہ وہ کام علیحدگی میں کر سکتا تھام۔

نرم لہجہ اختیار کرنا سنت رسول ﷺ ہے، ام المؤمنین عائشہؓ فرماتی ہیں:

((اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ:" ائْذَنُوا لَهُ بِئْسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ , فَلَمَّا دَخَلَ أَلَانَ لَهُ الْكَلَامَ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، قُلْتَ الَّذِي قُلْتَ، ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ الْكَلَامَ، قَالَ:" أَيْ عَائِشَةُ، إِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ[2]))

ترجمہ:

''کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے اجازت دے دو، فلاں قبیلہ کا یہ برا آدمی ہے جب وہ شخص اندر آیا تو آپ ﷺ نے اس کے ساتھ بڑی نرمی سے گفتگو کی۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کو اس کے متعلق جو کچھ کہنا تھا وہ ارشاد فرمایا اور پھر اس کے ساتھ نرم

---

[1] مسلم، صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب تَحْرِيمِ النَّظَرِ فِي بَيْتِ غَيْرِهِ:، ح2158

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بابُ مَا يَجُوزُ مِنِ اغْتِيَابِ أَهْلِ الْفَسَادِ وَالرِّيَبِ، ح6084

اس سے آگے باب میں ذکر شدہ حدیث خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَعْضِ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ، فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا جس میں نبی کریم ﷺ دو قبروں کے بارے میں بتاتے ہیں کہ ان کو پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنے اور چغل خوری کرنے پر عذاب ہو رہا ہے جب کہ یہ حدیث پچھلے باب بَابُ الْغِيبَةِ میں گزر چکی ہے)

گفتگو کی۔آپ ﷺ نے فرمایا، عائشہ! وہ بدترین آدمی ہے جسے اس کی بدکلامی کے ڈر سے لوگ اسے چھوڑ دیں۔''

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مشہور فاسق اور فاجر ہے اور اس کا فسق وفجور لوگوں میں مشہور ہے تو اس کی غیبت کرنا جائز ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں علامہ شامیؒ نے غیبت محرمانہ کچھ صورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے لیکن میرے نزدیک سب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص عزت حاصل کرنے کے لئے غیبت کو ایک شغل کے طور پر بنادے تو یہ حرام اور ناجائز ہے۔ لیکن اگر کسی نے واقعات حالات سناتے سناتے بعض چیزوں کا ذکر کیا اور بعض لوگوں کی برائی اس کے ضمن میں آگئی تو یہی باتیں ممنوعہ میں داخل نہیں ہے۔

کسی عربی شاعر نے خوب کہا ہے بدترین ہے وہ شخص جو لوگوں کی برائیوں میں مصروف رہتا ہے مکھی کی طرح جو ہمیشہ گندی جگہ پر منڈلاتی رہتی ہے۔[1]

اگر کسی بندے کے بارے میں بات ہو رہی ہے اور سننے والوں کیلئے ضروری ہے کہ اس بندے کی حالت معلوم کرے اور اس کو پہچان لے، تو یہ جائز ہے کہ اس بندے کے بارے میں سب کچھ بتا دیا جائے، اسی طرح اگر کسی بندے سے دوسرے لوگوں کو نقصان ہو رہا ہو تو دوسرے لوگوں کو اس کی غلط باتیں اور عیوب بتا دینے چاہییں۔ یہ بھی غیبت کے زمرے میں نہیں آتا لیکن وہ باتیں جو کہ بغیر کسی سبب اور بغیر کسی ضروری وجہ کے دوسروں کے کی شخصیت اور اس کے عیوب بارے میں ہوں غیبت کے زمرے میں آتا ہے اور ممنوع ہے۔

چغلی کے بارے میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ رَجُلًا يَرْفَعُ الْحَدِيثَ إِلَى عُثْمَانَ، فَقَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:" لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ))[2]

ترجمہ:

''ایک شخص ایسا ہے جو یہاں کی باتیں عثمان سے جا لگاتا ہے۔ اس پر حذیفہؓ نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ نے بتلایا کہ جنت میں چغل خور نہیں جائے گا''۔

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

امام بخاریؒ اس باب سے اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ کے چغل خوری بعض حالات میں جائز ہو جاتی ہیں مثلاً جاسوسی

---

1 سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب، بابُ مَا یَجُوزُ مِن اِغۡتِیَابِ أَھۡلِ الۡفَسَادِ وَالرِّیَبِ، 440/22، ح5707

2 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ مَا یُکرَہُ مِنَ النَّمِیمَۃِ، ح6085

کے ذریعہ کفار کے حالات کی چغل خوری کرنا جائز ہے(ہماز مشاء بنمیم) ہماز مبالغہ کا صیغہ ہے (زیادہ طعنہ زنی کرنے والا)۔

مشا مشیی سے مبالغہ ہے چلنے کے معنی میں ہے اور نمیم چغل خور کہتے ہیں اہل لغت نے لکھا ہے کہ یہ الفاظ حرکت کرنے اور ہلنے کے ہیں۔

ہمزہ لمزہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں کثرت سے عیب چینی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ لمز سامنے عیب بیان کرنے کو اور ہمز پس پشت عیب بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ بعض نے اس کے علاوہ معانی بیان کیے ہیں امام بیہقی نے ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ ہمزہ کا تعلق آنکھ ہاتھ وغیرہ سے ہے اور لمز کا تعلق زبان سے ہے۔ لا یدخل الجنة قاطع میں قدامت چغل خور کو کہتے ہیں بعض نے کہا کہ ہماز اس شخص کو کہتے ہیں جو حاضر ہو کر کوئی بات سنی اور پھر آگے فساد پھیلانے کی نیت سے نقل کرے اور اس کو آگے فساد کی غرض سے پھیلائے۔[1]

اپنے کام سے کام نہ رکھنا، غفلت برتنا اور غیر یکسوئی چغل خوری اور دوسروں کے غیبت کے اسباب ہیں۔ چغلی سے شدت سے منع فرمایا گیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ چغل خوری کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا چغلی لڑائی جھگڑے فساد اور اور گالم گلوچ کا سبب بنتی ہے۔ اس میں سامنے والے پر الزام لگتا ہے اور چغل خوری کرنے والا لا الزام لگانے والا بنتا ہے جبکہ اسلام میں غلط الزام لگانے والے پر سزا اور سخت وعید ہے۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ وَالْجَهْلَ، فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ))[2]

ترجمہ:

"نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جو شخص (روزہ کی حالت میں) جھوٹ بات، فریب، اور جہالت کی باتوں کو نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے۔"

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

یعنی روزہ رکھنے سے غرض یہ ہے کہ آدمی کا ظاہر اور باطن پاک ہو اور وہ اپنے قول و فعل کی حفاظت کرے۔ اگر کھانا پینا چھوڑ دینے سے یہ غرض حاصل نہ ہو تو روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ ابن تینؒ نے فرمایا کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جو بندہ روزے کی حالت میں چغلی کرے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، اور جمہور کے نزدیک اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حدیث سے ثابت ہے کہ یہ بات کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور گناہ کبیرہ کی وجہ سے روزے کا اجر کم پڑ جاتا ہے۔[1]

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب، بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ النَّمِيمَةِ 434/22، ح5709

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ح6086

مسلمان روزہ اپنے ظاہر اور باطن کی صفائی اور اس کے حفاظت کے لیے رکھتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان روزہ رکھتے ہیں تاکہ وہ غلط کام گناہ اور غلط کاموں سے بچا رہے. روزہ دراصل جسم کی تطہیر کا عمل ہے۔ جبکہ غیبت اور اور چغلی کھانا گناہ کبیرہ میں سے ہے، جبکہ روزہ اور اور گناہ کبیرہ ایک جگہ میں جمع نہیں ہو سکتے اسی لئے فرمایا کہ ایسے بندے کو روزہ سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ نہیں ملا۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ :

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" تَجِدُ مِنْ شَرِّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللَّهِ ذَا الْوَجْهَيْنِ، الَّذِي يَأْتِي هَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ[2]."))

ترجمہ:

”نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم قیامت کے دن اللہ کے ہاں اس شخص کو سب سے بدتر پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے سامنے ایک رخ سے آتا ہے اور دوسروں کے سامنے دوسرے رخ سے جاتا ہے۔“

سلیم اللہ خان فرماتے ہیں:

دراصل دوغلی بات کرنا نفاق کی ایک شکل ہے کہ جو شخص دورخی اختیار کرتے ہیں حدیث میں اس کی مذمت بیان کی گئی ہے حدیث میں بیان ہے اللہ تعالی کے ہاں سب سے برے لوگ وہ ہوں گے جو ایک بندے کے پاس ہے ایک چہرہ لے کر رجا رہا ہے اور دوسرے کے پاس دوسرا چہرہ، یعنی ایک قوم کے پاس آکر کہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہو اور تمہارا حامی ہو اور دوسروں کا مخالف اور دوسروں کے پاس جا کر اپنی محبت جتاتا ہے، تو یہ نفاق ہے۔[3]

گناہگار کا دل کالا ہوتا ہے جب اس پر گناہ کا اثر ختم ہو جائے تو کسی بھی حالت میں گناہ سے نہیں بچ سکتا۔ دل میں منافقت، اخلاص کی کمی اور لوگوں کے دلوں میں غلط باتوں اور خوشامدی سے جگہ بنانے کی کوشش میں بندہ دوغلاپن کرتا ہے اور دغلا ہو جاتا ہے۔ دو چہرے والے سے مراد ایک بندے کے سامنے ایک بات کرنا اور دوسرے کے سامنے دوسری بات کرنا ہے۔ کامل مسلمان کا ظاہر اور باطن ایک جیسا ہوتا ہے اور جس کے ظاہر اور باطن میں تضاد اور فرق ہو وہ منافق تو ہو سکتا ہے مسلمان نہیں۔ اور یہ پہلی لڑائی فساد جگڑے اور نفرت کا سبب بنتا ہے اور لڑائی فساد اور جھگڑے اور معاشرت کے ختم ہونے کا سبب بنتے ہیں۔

---

[1]عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب بَابُ قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالَی: {وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ} 596/13ح:6042

[2]بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ مَا قِيلَ فِي ذِي الْوَجْهَين، ح6087

[3]سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب، بَابُ مَا قِيلَ فِي ذِي الْوَجْهَين، 446/22، ح5711

ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں:

((عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُثْنِي عَلَى رَجُلٍ وَيُطْرِيهِ فِي الْمِدْحَةِ فَقَالَ:" أَهْلَكْتُمْ أَوْ قَطَعْتُمْ ظَهْرَ الرَّجُلِ))[1]

ترجمہ:

" نبی کریم ﷺ نے سنا کہ ایک شخص دوسرے شخص کی تعریف کر رہا ہے اور تعریف میں بہت مبالغہ سے کام لے رہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اسے ہلاک کر دیا یا (یہ فرمایا کہ) تم نے اس شخص کی کمر کو توڑ دیا۔"

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

کسی کی تعریف کرنا تو اچھی بات ہے۔ مگر جھوٹی تعریف کرنا اور تعریف کے پل باندھنا پسندیدہ نہیں ہے۔ منہ پر تعریف کرنے سے نفس میں تکبر آجاتا ہے اور اگر تعریف میں مبالغہ کیا جائے تو جھوٹ بھی اس میں مل جاتا ہے اور الگ سے جھوٹ کا گناہ ملتا ہے۔ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کے منہ پر نبی کریم ﷺ کے سامنے حد سے زیادہ تعریف کی تو آپ ﷺ نے فرمایا "تیرا ناس ہو تم نے اپنے بھائی کی گردن مار دی" اور جس نے لامحالہ اپنے بھائی کی تعریف کرنی ہو تو اس طرح کہے کہ میں فلاں کو ایسا اور ایسا سمجھتا ہوں۔[2]

زیادہ تعریفیں خوشامدی کی وجہ سے ہوتی ہیں اور اس میں جھوٹ بھی بولا جاتا ہے۔ زیادہ تعریفیں کرنے والا جھوٹ سے نہیں بچتا۔ کسی کے منہ پر تعریف کرنا اچھی بات نہیں ہے اس سے بندے میں تکبر اور آجاتا ہے اور بندہ خوش فہمی کا شکار رہتا ہے اسی لئے منہ پر تعریف کرنے سے منع فرمایا۔

حسد اور پیٹھ پیچھے برائی کی ممانعت کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

((قَالَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا[3].))

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّمَادُحِ، ح6089

[2] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّمَادُحِ، 95/11، ح6060، (اس بات کی اگلی حدیث وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ کے الفاظ کی زیادتی کے ساتھ ذکر ہے)

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ مَا يُنْهَى عَنِ التَّحَاسُدِ وَالتَّدَابُرِ، ح6085

اگلی حدیث حضرت انس بن مالکؓ کی لاتَبَاغَضُوا کی زیادتی کے ساتھ ذکر ہے۔

ترجمہ:

''بدگمانی سے بچتے رہو کیونکہ بدگمانی کی باتیں اکثر جھوٹی ہوتی ہیں، لوگوں کے عیوب تلاش کرنے کے پیچھے نہ پڑو، آپس میں حسد نہ کرو، کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو، بغض نہ رکھو، بلکہ سب اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔''

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

حسد کی تعریف یہ ہے کہ کسی کو نعمت اور خوشحالی میں دیکھ کر اس کے زوال کی تمنا کرنا۔ یہ جائز نہیں ہے البتہ کسی کے پاس نعمت دیکھ کر یہ جذبہ اور تمنا پیدا ہو کہ میرے پاس بھی اسی طرح کی نعمت ہونی چاہیے اسے غبطہ[1] تو کہتے ہیں اور یہ جائز ہے۔

قرآن کریم میں حاسد کے حسد کے شر سے پناہ طلب کی گئی ہے اور (من شر حاسد اذا حسد) اس آیت سے حسد کی گناہ اور اس کے شر کی تائید ہوتی ہے۔ ظن سے مراد بدگمانی ہے یعنی صرف گمان کی بنیاد پر کسی پر تہمت مت لگاو حدیث میں ظن کو اکذب الحدیث کہا ہے حالانکہ سچ اور جھوٹ قول کی صفت ہے جب کی ظن کا تعلق قول سے نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ دیا کہ یہاں کذب سے مراد خلاف واقع ہے چاہے وہ قول ہو یا فعل ہو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ظن سے مراد ظن سے پیدا ہونے والا قول ہے مجازاً اس کو ظن کہہ دیا۔

تجسس باطنی امور کے بارے میں تحقیق اور جستجو کو کہتے ہیں اور یہ عموماً شر کے لئے استعمال ہوتا ہے اور تحسس ان چیروں کے متعلق جستجو کو جن کا ادراک آنکھ یا کان سے ہوتا ہے۔[2]

تکبر کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

((عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ، كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَاعِفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَأَبَرَّهُ، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ، كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ))[3]

ترجمہ:

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں جنت والوں کی خبر نہ دوں؟۔ ہر کمزور و تواضع کرنے والا گروہ (اللہ کا نام لے کر) قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دے۔ کیا میں تمہیں دوزخ والوں کی خبر نہ دوں؟ ہر تند خو، اکڑ کر چلنے والا اور متکبر دوزخی ہے۔''

---

[1] کسی شخص میں کوئی خوبی یا اس کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ مجھے بھی یہ خوبی یا نعمت مل جائے اور اس شخص سے اس خوبی یا نعمت کے زوال کی خواہش نہ ہو تو یہ غبطہ یعنی رشک ہے۔

[2] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب، بَابُ مَا يُنْهَى عَنِ التَّحَاسُدِ وَالتَّدَابُرِ، 22/455تا458، ح5717

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ الْكِبْرِ، ح6100

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

کبر، تکبر اور استکبار کے معنی قریب قریب ہیں۔ کبر میں آدمی خود پسندی کرتا ہے وہ خود کو دوسروں سے بڑا جانتا ہے اور حق قبول کرنے سے باز رہنے کی کوشش کرتا ہے، اور توحید کا عقیدہ اپنانے کی کوشش نہیں کرتا۔ ا تکبر دو طرح سے آتا ہے ایک یہ کہ نیک کام کرے اور نیک کام دوسرے کے نیک کاموں سے زیادہ ہو تو اپنے کاموں پر تکبر کرے دوسرا یہ کہ ایسی چیز کو ظاہر کرنے والا ہوں جو اس میں نہیں ہے ایسے اوصاف جو اس میں نہیں پائے جاتے ہوں لیکن وہ ظاہر کرنے والا ہوں۔[1]

اپنے جان مال اور اولاد میں اتنا متوجہ ہو جانا کے دینی اعمال وافعال میں کوتاہی ہونے لگے، اور خود پسندی کا شکار ہونا تکبر کے اسباب ہیں۔ تکبر گناہوں کی جڑ ہے۔ تکبر سے آدمی خود غرض اور خود پسند بن جاتا ہے اور تکبر میں نظر صرف اپنے جسم اور جان ومال پر رہتی ہے جس کی وجہ سے بہت سے غریب اور کمزور متکبر انسان کو نظر ہی نہیں آتے جس کی وجہ سے ان کے حقوق کی ادائیگی گی ناممکن ہو جاتی ہے۔

جب معاشرے میں ایک امیر اور غریب کا فرق نہ رہے تو تب ہی اس معاشرے میں معاشرے کا ہر ایک فرد اس معاشرے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ انس بن مالکؓ فرماتے ہیں:

((حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ:" إِنْ كَانَتِ الْأَمَةُ مِنْ إِمَاءِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَتَأْخُذُ بِيَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَنْطَلِقُ بِهِ حَيْثُ شَاءَتْ[2]))

ترجمہ:

"رسول اللہ ﷺ کے اخلاق فاضلہ کا یہ حال تھا کہ ایک لونڈی مدینہ کی لونڈیوں میں سے آپ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور اپنے کسی بھی کام کے لیے جہاں چاہتی آپ کو لے جاتی تھی۔"

درج بالا حدیث میں نبی کریم ﷺ کی سادگی کا ذکر ہے۔ اس کائنات کی سب سے مقرب اور معزز ہستی کی جتنی عزت وتوقیر تھی اتنے ہی نبی کریم ﷺ سادہ مزاج تھے، تکبر تکبر اور بڑھائی جیسے مذموم اوصاف سے نبی کریم ﷺ کی شخصیت بالکل دور تھی، جیسے کہ حدیث سے ظاہر ہے کہ غلام لونڈیاں وغیرہ نبی کریم ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر لے جایا کرتے تھے جب ان کا کوئی کام ہوتا تھا اور نبی کریم ﷺ انکار کے بغیر چل دیا کرتے تھے، انہی اوصاف کا نتیجہ تھا کہ نبی کریم ﷺ غیر مسلموں اور دشمنوں کی صفوں میں بھی مقبول تھے اور صادق اور امین سمجھے جاتے تھے۔ اس لیے اگر ان سارے اوصاف کا حامل انسان ہی ایک معاشرے میں بہترین کردار ادا کر سکتا ہے۔

---

[1] عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب باب الکبر، 639/13، ح: 6071

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب الکبر، ح 6101

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا، وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ۔))[1]

ترجمہ:

''آپس میں بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہ کرو، بلکہ اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ کسی بھائی سے تین دن سے زیادہ تک بات چیت بند کرے۔''

آپس کے کمزور تعلقات معمول اونچ نیچ اور تکبر جیسی چیزیں قطع کلامی کے اسباب ہیں۔ تین دن تک جدائی اختیار کرنا اور باتیں نہ کرنا مباح ہے۔ یعنی تین دن تک نہ کرنا جائز ہے اور اس میں نرمی ہے اس لئے کہ آدمی کی طبع میں غصہ اور بدخوئی موجود ہے اور یہ پیدائشی چیز ہے، تو اس نے غالباً یہ تین دن یا تین دن سے کم میں دور ہو جاتا ہے تو اس لیے تین دن کی مہلت دے دی۔

ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے:

((انَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هَذَا وَيُعْرِضُ هَذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ))۔[2]

ترجمہ:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی بھائی سے تین دن سے زیادہ کے لیے ملاقات چھوڑے، اس طرح کہ جب دونوں کا سامنا ہو جائے تو یہ بھی منہ پھیر لے اور وہ بھی منہ پھیر لے اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔''

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

اگر تین دن گزر جائے اور ایک دوسرے سے ملے تو چاہیے کو ایک دوسرے سے سلام کر دے اگر دوسرا سلام کا جواب دے تو دونوں ثواب میں شریک ہو جائیں گے، اور اگر جواب نہ دے دوسرا گناہ گار ہوا۔ اور بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کرے۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ صرف سلام سے جدائی دور ہو جاتی ہے مگر یہ شرط ہے کہ اس کے بعد پہلی والی حالت پر دونوں ہوں۔ ابن عبد البرؒ نے فرمایا کہ اس بات پر اجماع ہے کہ تین دن سے زیادہ کلام کسی کے ساتھ چھوڑنا

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بابُ الهِجْرَةِ: ح6104

[2]، بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بابُ الهِجْرَةِ: ح6104

گناہ ہے اور منع ہے لیکن کسی سے دین، دنیا کا یا جان کا نقصان اور ضرر ہو تو اس کے ساتھ تعلق ترک کرنا اور کلام چھوڑنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔[1]

اس حدیث میں قطع تعلقی سے ممانعت آئی ہے قطع تعلقی کے جو بھی وجوہات بنتے ہو چاہے اس کا تعلق کلام سے ہو یا اس کا تعلق افعال سے ہو دونوں ممنوع ہیں۔ افعال سے جیسے وہ لڑائی جھگڑا سے قتال وغیرہ اور کلام سے جیسے سے لعنت، گالم گلوچ اور بد کلامی کرنا یا کسی کے ساتھ ساتھ کلام کو چھوڑ دینا سب ممنوع اور قبیح افعال ہیں۔ یہ سارے افعال دو مسلمانوں کے بیچ نفرت بغض اور عداوت کو لاتے ہیں اور ان کی محبت اور بہترین معاشرت کو پہنچاتے ہیں۔

عائشہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنِّي لَأَعْرِفُ غَضَبَكِ وَرِضَاكِ" قَالَتْ: قُلْتُ: وَكَيْفَ تَعْرِفُ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ:" إِنَّكِ إِذَا كُنْتِ رَاضِيَةً قُلْتِ: بَلَى وَرَبِّ مُحَمَّدٍ، وَإِذَا كُنْتِ سَاخِطَةً قُلْتِ: لَا وَرَبِّ إِبْرَاهِيمَ"، قَالَتْ: قُلْتُ: أَجَلْ لَسْتُ أُهَاجِرُ إِلَّا اسْمَكَ."))[2]

ترجمہ:

"میں تمہاری ناراضگی اور خوشی کو خوب پہچانتا ہوں۔ ام المؤمنین نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کس طرح سے پہچانتے ہیں؟ فرمایا کہ جب تم خوش ہوتی ہو کہتی ہو، ہاں محمد کے رب کی قسم! اور جب ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو نہیں، ابراہیم کے رب کی قسم! بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: جی ہاں، آپ کا فرمانا بالکل صحیح ہے میں صرف آپ کا نام لینا چھوڑتی ہوں۔"

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

اس باب میں اس ناراضگی اور قطع تعلقی کے بارے میں ہے جو دین کی وجہ سے ہو، احادیث اور واقعات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دین کی وجہ سے قطع تعلقی کرنا جائز ہے۔ ایک دفعہ جب کچھ صحابہ بغیر عذر کے جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان سب سے پچاس دنوں تک بائیکاٹ کا حکم دیا سلام کلام تک بند رہا پھر جب توبہ نازل ہوئی تو ان کے ساتھ مسلمانوں نے بولنا اور کلام کرنا شروع کر دیا تو یہ قطع تعلقی صرف دین کی بنا پر تھی۔[3]

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

امام بخاریؒ اس باب میں ترک تعلق کے جواز کی صورت بیان کرنا چاہتے ہیں تو اس کے اعتبار سے مختلف قسم کا

---

[1] عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب بَابُ الْهِجْرَةِ، 643/13، ح: 6077

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْهِجْرَانِ لِمَنْ عَصَى، ح6105

[3] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْهِجْرَانِ لِمَنْ عَصَى، 10/، ح6078

ترک تعلق کیا جاسکتا ہے اگر کوئی نافرمانی کرنے والوں میں سے ہیں تو اس کے ساتھ ترک تعلق کیا جائے جیسا کہ حضرت کعب بن مالکؓ کے قصے میں ترک کلام کیا گیا تھا۔اور اہل و عیال کے ساتھ ناراضگی کی صورت یہ بن سکتی ہے کہ ان کا نام نہ لیا جائے یا جس کے ساتھ ترک تعلق کیا گیا ہوں سلام کلام تو کیا جائے لیکن خندہ پیشانی کو ترک کیا جائے۔[1]

دینی امور اور دینی معاملات کی وجہ سے ترک تعلق کیا جاسکتا ہے اور یہ ترک تعلق ڈرانے کے لئے ہوتا ہے، یا تو ترک تعلق اپنے دین اسلام اور عقیدے کی حفاظت کے لئے ہوتا ہے یا اس بندے کو سبق سکھانے کے لئے ہوتا ہے کہ جب وہ کچھ وقت کے لیے سب لوگوں سے الگ تھلگ ہوگا، تو تب اس کو احساس ہوگا اور آئندہ اس نافرمانی سے اجتناب کرے گا۔اور یہ سنت سے ثابت ہے غزوہ تبوک کے بعد غزہ میں بغیر کسی عذر کے شرکت نہ کرنے پر نبی کریم ﷺ نے تین صحابہ کے ساتھ ترک تعلق کا حکم دیا تھا تھا ایسے ترک تعلق میں کوئی گناہ اور وبال نہیں ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَّابًا.))[2]

ترجمہ:

”۔۔۔بلاشبہ جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے اور برائی جہنم کی طرف اور ایک شخص جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ کے یہاں بہت جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔“

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ جھوٹ قبیح لعینہ نہیں ہے بلکہ اس میں دوسروں کو نقصان ہوتا ہے اس لیے یہ قبیح ہے بعض علماء نے اس کو قبیح لعینہ کہا ہے کیونکہ خلاف واقع اور خلاف حقیقت بات اگر کسی دوسرے کے لیے نقصان دہ نہ ہوں لیکن قبیح تو ہے۔خاص صورتوں میں جھوٹ کی اجازت حدیث سے بھی منقول ہے مثلا دو آدمیوں کے درمیان اگر صلح کرانے کی غرض سے جھوٹ کی ضرورت پڑ جائے تو اس میں گنجائش ہے بیوی کے ساتھ مخصوص صورتوں میں جھوٹ بولنے کی، اور جنگ میں کفار کو نقصان پہنچانے کی غرض سے بھی جھوٹ بولنے کی گنجائش ہے۔[3]

جھوٹ اکثر دو وجوہات کی بنا پر بولا جاتا ہے۔انجام کی ڈر کی وجہ سے اور دوسروں کے خوش آمد کے لیے۔صدق نیکی کی طرف لے کر جاتا ہے اور نیکی ہدایت کی طرف لے کر جاتی ہے اور ہدایت یافتہ بندہ جنت میں جائے گا۔اسی طرح

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب، بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الهِجْرَانِ لِمَنْ عَصَى 479/22، ج5728،

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ} وَمَا يُنْهَى عَنِ الْكَذِبِ، ح6105

[3] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ} وَمَا يُنْهَى عَنِ الْكَذِبِ 493/22، ج5743

جھوٹ گناہ کا سبب ہے اور گناہ بندے کو فاجر فاسق بناتی ہے اور پھر فاسق بندہ جہنم میں جائے گا دنیا میں بھی اچھی زندگی گزارنے کے لئے اور پر سکون زندگی گزارنے کے لیے ہمیں صادق ہوناپڑے گا اگر ہم دنیااور آخرت کی کامیابی زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو ہمیں خود کے ساتھ اور لوگوں کے ساتھ سچااور صادق ہوناپڑے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلاَثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ))[1]

ترجمہ:

''منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بولتا ہے جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے خلاف کرتا ہے اور جب اسے امین بنایاجاتاہے تو خیانت کرتا ہے۔''

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

جھوٹ، وعدہ خلافی اور خیانت منافقوں کے اخلاق میں سے ہے، اور جس شخص میں یہ بری عادتیں اور بیماری ہو وہ اگرچہ عقیدہ کا منافق نہیں ہوتا لیکن عمل اور سیرت کا منافق ہوتا ہے، چاہے وہ نماز پڑھتا ہو، روزہ رکھتا ہو اور حج ادا کرتا ہو اور خود کو بہترین مسلمان سمجھتا ہو، لیکن بداخلاقی کی وجہ سے وہ ایک قسم کا منافق ہے اگرچہ یہاں پر منافق اعتقادی تو نہیں بنتا لیکن منافق عملی ضرور بنتا ہے اور اس کی وجہ سے اعمال پر بھی اثر پڑتا ہے اور نیکیوں کا اثر باقی نہیں رہتا۔[2]

حدیث مبارکہ میں جھوٹ بولنے والے کے لیے بہت زیادہ وعید اور سخت الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جھوٹ بولنے والے کو منافق قرار دیا ہے۔ منافق اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے دل میں کچھ اور اعمال کچھ اور ہیں، اس کے ظاہری اعمال اور باطن ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے ہو اور یہ عادت اعمال کو برباد کرنے کا سبب بنتی ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِي قَالَا: الَّذِي رَأَيْتَهُ يُشَقُّ شِدْقُهُ فَكَذَّابٌ يَكْذِبُ بِالْكَذْبَةِ تُحْمَلُ عَنْهُ حَتَّى تَبْلُغَ الْآفَاقَ فَيُصْنَعُ بِهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))[3]

ترجمہ:

''میرے پاس گذشتہ رات خواب میں دو آدمی آئے انہوں نے کہا کہ جسے آپ نے دیکھا کہ اس کا جبڑا چیرا جارہا تھا وہ بڑا ہی جھوٹا تھا، جو ایک بات کو لیتا اور ساری دنیا میں پھیلا دیتا تھا، قیامت تک اس کو یہی سزا ملتی رہے گی۔''

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: { اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ} وَمَا يُنْهَى عَنِ الْكَذِبِ: ح6122

[2] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، ب بابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ} وَمَا يُنْهَى عَنِ الْكَذِبِ 112/11، ح6095

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: { اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ} وَمَا يُنْهَى عَنِ الْكَذِبِ: ح6123

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں لوہا ہے جو کہ ایک بیٹھے ہوئے آدمی کے جبڑے میں داخل کرتا ہے اور اس کی گدی تک پہنچا دیتا ہے، پھر دوسرے جبڑے میں داخل کرتا ہے اور اس کی گدی تک پہنچا دیتا ہے اس وقت تک پہلا جبڑا جڑ چکا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ یہی عمل کیا جاتا ہے اور یہ عمل بار بار دہرایا جاتا ہے۔ میں نے اس شخص کے بارے میں پوچھا تو جبرائیل اور حضرت میکائیل علیہم السلام نے مجھ سے کہا کہ جس شخص کو آپ نے دیکھا کہ اس کے جبڑے چیرے جا رہے ہیں۔ وہ جھوٹا اور کذاب تھا۔[1]

نبی کریم ﷺ نے سخت سزا اور وعید کا ذکر کر کے جھوٹوں کو تنبیہ کی ہے کہ جھوٹ کے گناہ کے ساتھ ساتھ اس کی سزا بھی بہت شدید ہے۔ گناہ کی شدت کا بتا کر جھوٹ سے اعتراض کرنے کی تلقین کی ہے۔ چونکہ یہ اعمال اور اخلاق کے بگاڑ کا سبب ہے اس لیے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا۔))[2]

ترجمہ:

"جس شخص نے بھی اپنے کسی بھائی کو کہا کہ اے کافر! تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہو گیا۔"

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

کفر کے الزام تراشیوں سے حد درجہ سے احتراز اور پرہیز ضروری ہے حفاظت اور کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ حدیث کا مفہوم ہے اگر کوئی مسلمان بھائی کو کافر کہتا ہے اور اگر مخاطب اس الزام کا محل نہیں تو وہ الزام لگانے والے پر لوٹ آئے گا اور وہ کافر ہو جائے گا، اس کی یہ بات رایگاں نہیں جائے گی دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور پڑے گی۔ لاخیہ کا ذکر کر کے اپنے مسلمان کو اس میں شامل کر دیا کہ اگر غیر مسلم کو کافر کہے تو اس میں کوئی گناہ اور وبال نہیں ہے۔[3]

دوسروں پر کفر کے الزامات لگانے کی بڑی وجہ اپنے اعمال سے بے خبری ہے۔ اپنے برے اعمال پر توجہ نہ دینا دوسروں پر انگلیاں اٹھانے کا سبب ہے۔ آج کل کے دور کا یہ عمومی مسئلہ ہے کہ ہر بندہ دوسرے کو دین اور اسلام سے نکالنے پر تلا رہتا ہے لوگ اس مسئلہ کو حقیر سمجھ کر ہر کسی پر کفر کا الزام تو لگاتے ہیں لیکن اس مسئلے کی سنگینی اور شدت کا

---

[1] عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب بابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: { اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ} وَمَا يُنْهَى عَنِ الْكَذِبِ، 667ح: 6096

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ مَنْ كَفَّرَ أَخَاهُ بِغَيْرِ تَأْوِيلٍ فَهُوَ كَمَا قَالَ: ح6130

[3] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ مَنْ كَفَّرَ أَخَاهُ بِغَيْرِ تَأْوِيلٍ فَهُوَ كَمَا قَالَ، 116/11، ح6103

ان کو علم نہیں ہے کہ اگر سامنے والے پر تمہاری بات ثابت نہ آرہی ہو تو تمہاری بات تم پر واپس آئے گی اس لیے ان سارے الفاظ اور القابات سے اعتراض کر کے اپنے اور مسلمانوں کے روزمرہ اعمال اور ان کی پستی پر توجہ دینی چاہیے نہ کہ ان کو اسلام سے نکالنے کی طرف توجہ ہو۔ثابت بن ضحاک [1] نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

((مَنْ رَمَى مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ۔)) [2]

ترجمہ:

''جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی تو یہ اس کے قتل کے برابر ہے۔''

غیر مسلم اور کفر کا الزام اکثر لاعلمی، کم علمی اور دینی تعلیمات کی سے بے خبری کی وجہ سے ہوتا ہے۔اس طرح یہ الزام دشمنی کی وجہ سے بھی لگتا ہے لیکن اسلامی تعلیمات کی روح تک پہنچنے کی اشد ضرورت ہے کہ جب اس کی تعلیمات کو سمجھا جائے تو ان چیزوں سے بچا جا سکتا ہے۔جو مسلمان کسی پر کفر کا الزام لگاتا ہے تو یہ اس کو جان سے مارنے کے مترادف ہے،اور مسلمان کا قتل کبیرہ گناہ ہے پس یہ الزام لگانا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ایسا الزام لگانے سے الزام لگانے والا حقیقت میں کافر نہیں ہوتا۔کفر کا الزام لگانے کی شدت اس قدر زیادہ ہے گویا کہ جس پر الزام لگایا جا رہا ہے اس کو جان سے مارا جا رہا ہے اور جان سے کسی مسلمان کو جان سے مارنا گویا کہ تمام انسانیت کو جان سے مارنے کے مترادف ہے۔آج کے اس فرقہ پرستی اور کے دور میں اپنے الفاظ پر بہت زیادہ توجہ اور احتیاط کی ضرورت ہے۔ایسے الفاظ منہ سے نہ نکلے جس پر عذاب اور پکڑ ہو۔نبی کریم ﷺ نے غیر مسلم پڑوسی کے حقوق کا بھی خیال رکھنے کا حکم دیا ہے،اور ریاست کے ذمہ داری ہے کہ مسلم غیر مسلم سب کے حقوق کا خیال رکھے جب غیر مسلم کے بارے میں اتنی تاکید ہے تو کسی مسلمان کو کافر کہنے کی گناہ کی شدت کتنی زیادہ ہو گی؟اس لیے دوسرے کے اسلام کے ہونے یا نہ ہونے سے زیادہ اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے اور انسان کو اچھے اعمال پر توجہ دینی چاہیے۔

غصہ سے پرہیز کرنا:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ)) [3]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پہلوان وہ نہیں ہے جو کشتی لڑنے میں غالب ہو جائے بلکہ اصلی پہلوان تو وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے آپ پر قابو پائے بے قابو نہ ہو جائے۔''

---

[1] ثابت بن ضحاک کا نام امام ابو زید انصاری خزرجی تھا آپ بیعت رضوان کرنے والوں میں شامل تھے اور ہجرت کے تیسرے سال پیدا ہوئے آپ کی کنیت ابو زید تھی 45 سال کی عمر میں بصرہ میں وفات پائی۔دیکھیے(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب،ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر القرطبی،مکتبہ دار الجیل بیروت، طبع اولی 1412ھ جلد اول،ص 205)

[2] بخاری،الجامع الصحیح،کتاب الادب، بَابُ مَنْ كَفَّرَ أَخَاهُ بِغَيْرِ تَأْوِيلٍ فَهُوَ كَمَا قَالَ: ح 6133

[3] بخاری،الجامع الصحیح،کتاب الادب، بَابُ الْحَذَرِ مِنَ الْغَضَبِ،ح 6130

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

مسلم کی روایت میں کچھ اضافہ کے ساتھ یہ حدیث منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے درمیان پہلوان کس کو مانتے ہو؟ صحابہ کرامؓ نے فرمایا جس کو کوئی نہ ہراسکے ایک روایت میں ہے کہ بڑا پہلوان وہ ہے جو غضب ناک ہو اور اس کا غصہ شدید ہو اور چہرہ سرخ ہو اور وہ پھر وہ اپنے مخالف کو بھی پچھاڑ دے۔ حضرت انسؓ کا قول کہ محمد ﷺ ایک قوم پر گزرے جو کشتی کر رہے تھے۔

محمد ﷺ نے فرمایا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا یہ آدمی ایسا طاقتور ہے کہ کوئی اس سے لڑ نہیں سکتا محمد ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو نہ بتاؤں جو اس سے بھی سخت طاقتور ہو؟ اور وہ مرد کہ کسی دوسرے نے اس سے کلام کیا اور اس کو غصہ آیا تو اس نے اپنے غصے پر قابو پایا تو اس شخص نے اپنے نفس اور اپنے شیطان دونوں پر غلبہ پالیا۔[1]

کچھ مواقع پر جیسے دینی امور پر اور دینی کاموں پر غصہ کرنا اچھی بات ہے اور ایک اچھی خصلت ہے لیکن ہر بات پر اور بغیر کسی وجہ کے غصہ کرنا اور غصے کی حالت میں گالی بکنا اور ملامتی کرنا، لعنت بھیجنا یہ ایک گناہ اور بری خصلت ہے۔ غصہ کے حالت میں انسان اپنے الفاظ پر قابو نہیں پاسکتا، اور اس کا نفس اور زبان بے قابو جاتا ہے اور اس کے منہ سے کفریہ کلمات تک نکل سکتے ہیں۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ غصہ کے وقت نفس پر اور زبان پر قابو پانے والا شخص دراصل پہلوان ہے۔

ابوہریرۃؓ کی روایت ہے:

((أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوْصِنِي، قَالَ:" لَا تَغْضَبْ" فَرَدَّدَ مِرَارًا، قَالَ:" لَا تَغْضَبْ))[2]

ترجمہ:

" ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے آپ کوئی نصیحت کریں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ غصہ نہ ہوا کرو۔ انہوں نے کئی مرتبہ یہ سوال کیا اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ غصہ نہ ہوا کرو۔"

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

خطابیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا تین مرتبہ یہی بات فرمانا کہ غصے سے احتراز کرو۔ اس سے مراد غصے کے اسباب سے احتراز کرنا ہے اور ان اسباب کے اختیار کرنے سے بچنا ہے۔ بہر حال غصہ ایک پیدائشی چیز ہے اور یہ طبیعت سے ختم کرنا تکلیف مالایطاق ہے، لیکن اس سے مراد وہ غصہ ہے جو کہ حد سے زیادہ ہو اور اپنے ریاضت بھی اس میں شامل ہوں اسی طرح فرمایا کہ غصہ کا سبب تکبر ہے پس جو شخص تکبر سے بچتا ہے اور توازن پیدا کرتا ہے اور اپنے عزت

---

[1] عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب، بَابُ الحَذَرِ مِنَ الغَضَبِ، 686/13، ح:6114

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ الحَذَرِ مِنَ الغَضَبِ، ح6144

نفس کو ختم کرتا ہے تو اس کو غصہ بھی نہیں آتا۔

اسی طرح روایت میں ہے کہ پوچھنے والا شخص دراصل غصے والا شخص تھا، اسی لیے حدیث میں نبی کریم ﷺ نے اس کو خصوصی طور پر فرمایا کہ آپ اپنے غصے پر قابو پائیں۔[1]

غصہ کی وجہ اپنے حواس پر قابو نہ پانا ہے۔ عدم برداشت کی کیفیت اور صبر کے فقدان کی وجہ سے غصہ، لڑائی اور جھگڑے ہوتے ہیں۔ غصہ انسان کو غلطی اور گناہ کی طرف لے کر جاتا ہے اور غصے کی حالت میں انسان اپنے کلام اور افعال اور اپنے حواس پر قابو نہیں رکھ پاتا۔ الفاظ اور اپنے اعمال و افعال کی وجہ سے وہ جسم اور اپنے دین کو نقصان پہنچا سکتا ہے اس لئے نبی کریم ﷺ نے سختی سے منع فرمایا۔

ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے:

((قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولَى إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ۔))[2]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا "پہلے پیغمبروں کا کلام جو لوگوں کو ملا اس میں ہے کہ جب کسی میں شرم ہی نہ رہی تو پھر جو جی چاہے وہ کرے۔"

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

حیا[3] انسان کیلئے ضروری اور مہم ہے۔ اس سے انسان بہت سارے گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

اس حیا سے مراد حیا شرعی[4] ہے، حیا عرفی بھی محمود ہے لیکن اس وقت جب وہ شریعت سے متصادم نہ ہو مثلاً بعض قوموں میں طلاق باعث عار اور شرم ہے لہذا حیا عرفی کی وجہ سے کئی لوگ ظلم کا ارتکاب کرتے ہیں اور بیوی کو طلاق نہیں دیتے اور اس کے حقوق بھی ادا نہیں کرتے اس کا نتیجہ ظلم کی صورت میں نکلتا ہے اور یہ ظلم حیا عرفی کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح وہ حیا عرفی محمود نہیں جو کہ شریعت سے متصادم ہوں اور پوشیدہ مسائل سے حیا عرفی کی وجہ سے جاہل رہنا بھی درست نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ نے انصاری خواتین کی تعریف کر کے کہا تھا انصار کی عورتیں بہت اچھی ہیں دین کے مسائل سمجھنے میں وہ شرم محسوس نہیں کرتیں۔[5]

---

[1] عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب، بَابُ الحَذَرِ مِنَ الغَضَبِ، 686/13، ح:6116

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بابُ إِذَا لَمْ تَسْتَحِي فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ، ح6148

[3] حیا کی لغوی معنی: شکستگی اور انکساری،

حیا کی اصطلاحی معنی: برائیوں سے نفس کا رک جانا اور برائیوں کو چھوڑ دینا ہے۔

[4] حیا شرعی: مراد وہ امور عرف میں باعث شرم بن جاتے ہیں ان سارے امور سے بچنا اصل حیا شرعی ہے۔

[5] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب، بَابُ إِذَا لَمْ تَسْتَحِي فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ، 416/22، ج5769

بے حیائی کی بڑی وجہ گناہوں کی کثرت ہے کیونکہ نیک اور صالح انسان میں شرم وحیا ہوتی ہے جب وہ اس شرم حیا سے عاری ہو جاتا ہے تو بے حیا بن جاتا ہے۔

باب سوم

بچوں، والدین اور پڑوسیوں سے حسن معاشرت اور انحراف کی وجوہات

فصل اول: بچوں اور ماتحتوں کے ساتھ حسن معاشرت سے انحراف اور حل

فصل دوم: والدین سے حسن معاشرت میں انحراف کی وجوہات اور حل

فصل سوم: پڑوسیوں کے ساتھ حسن معاشرت سے انحراف کی وجوہات اور حل

فصل اول

بچوں اور ماتحتوں کے ساتھ حسن معاشرت سے انحراف اور حل

ایک معاشرہ کئی ارکان سے مل کر بنتا ہے، اگر ان ارکان کے حقوق کا خیال رکھا جائے، تو ایک معاشرہ بہترین معاشرہ بن جاتا ہے، معاشرے کے ان ارکان میں سے دو ارکان بچے اور ماتحت لوگ ہیں. قرآن وحدیث میں بچوں اور ماتحتوں کے ساتھ بہترین معاشرت اور سلوک کی بار بار تاکید کی گئی ہے، اس باب میں بچوں اور ماتحتوں کے ساتھ بہترین رویہ اختیار کرنے سے متعلق نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

بچوں سے شفقت اور محبت کے متعلق ام خالد بنت سعید رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ :

((أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَبِي وَعَلَيَّ قَمِيصٌ أَصْفَرُ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" سَنَهْ سَنَهْ، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: وَهِيَ بِالْحَبَشِيَّةِ حَسَنَةٌ، قَالَتْ: فَذَهَبْتُ أَلْعَبُ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ فَزَبَرَنِي أَبِي، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دَعْهَا،))[1]

ترجمہ:

" میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوئی۔ میں نے ایک زرد قمیص پہنی ہوئی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، "سنہ سنہ "عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ یہ حبشی زبان میں "اچھا" کے معنی میں ہے۔ ام خالد نے بیان کیا کہ پھر میں نبی کریم ﷺ کی مہر نبوت سے کھیلنے لگی تو میرے والد نے مجھے منع کیا۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسے کھیلنے دو"

حضرت سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

حدیث شریف میں بچوں سے شفقت کا ذکر ہے کہ ایک صحابی اپنے ایک بچے کے ہمراہ نبی اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے۔

بچے کی نبی اکرم ﷺ کے مہر نبوت کے ساتھ کھیلنے پر صحابی نے ڈانٹا تو نبی اکرم ﷺ نے صحابی کو منع فرمایا، بچوں پر شفقت اور ان سے بے پناہ محبت چاہے وہ اپنے ہو یا پرائے، نبی اکرم ﷺ کا شیوا رہا ہے اس لیے ہمیں بھی ان کی اتباع

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باباب مَنْ تَرَكَ صَبِيَّةَ غَيْرِهِ حَتَّى تَلْعَبَ بِهِ أَوْ قَبَّلَهَا أَوْ مَازَحَهَا، ح6019

کرنی چاہیے۔[1]

مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں:

کہ اگر کسی دوسرے کی بچی کو کھیلتے دیکھا جائے تو اس سے پیار محبت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں ان سے محبت ان کی معصومیت کی وجہ سے ہوتی ہے۔[2]

اپنی اولاد اور اپنے بچوں کے ساتھ محبت فطری تقاضا ہوتا ہے۔ اور عام طور پر انسان اپنے بچوں سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔ لیکن اس حدیث سے دوسرے غریب، یتیم اور بے سہارا بچوں کے ساتھ محبت اور ان کے ساتھ شفقت کے ساتھ پیش آنے کا درس ملتا ہے۔ آج کل کے معاشرے میں ہر جگہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ غریب، یتیم اور بے سہارا بچوں کو پیٹ پالنے کی خاطر خود کمائی کرنی پڑتی ہے۔ اور انتہائی مشکلات اور مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ ان بچوں سے ان کی عمر اور ان کے طاقت سے کئی گناہ زیادہ مشکل اور دوگنا کام لیا جاتا ہے۔

اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دوسروں کے بچوں کے لیے محبت وشفقت اپنے بچوں کی محبت وشفقت کی طرح نہیں ہے۔ جس طرح اپنے بچوں کے ساتھ پیار ومحبت کے ساتھ پیش آتے ہو تو ایسے ہی دوسروں کے بچوں کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ ہو تو اس سے ان کے دل میں آپ کے لیے محبت بڑے گی اور اس سے بچوں کا بھی آپس میں بہترین تعلق رہے گا اور اتحاد واتفاق سے رہیں گے۔

ابو نعیم فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن اور حسینؓ کی محبت میں فرمایا:

((قَالَ: كُنْتُ شَاهِدًا لِابْنِ عُمَرَ، وَسَأَلَهُ رَجُلٌ عَنْ دَمِ الْبَعُوضِ، فَقَالَ: مِمَّنْ أَنْتَ؟ فَقَالَ: مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ، قَالَ: انْظُرُوا إِلَى هَذَا يَسْأَلُنِي عَنْ دم البعوض وَقَدْ قَتَلُوا ابْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:" هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا))[3]

ترجمہ:

”میں ابن عمرؓ کی خدمت میں موجود تھا کہ ان سے ایک شخص نے (حالت احرام میں) مچھر کے مارنے کے متعلق پوچھا (کہ کیا کفارہ ہوگا) ابن عمرؓ نے دریافت فرمایا کہ تم کہاں کے ہو؟ اس نے بتایا کہ عراق کا، فرمایا کہ اس شخص کو دیکھو، (مچھر کو مارنے کے تاوان کا مسئلہ پوچھتا ہے) حالانکہ اس کے ملک والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسہ کو (قتل کر ڈالا) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے کہ یہ

[1] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بابُ مَنْ تَرَكَ صَبِيَّةَ غَيْرِهِ حَتَّى تَلْعَبَ بِهِ أَوْ قَبَّلَهَا أَوْ مَازَحَهَا 61/11، ح 5993

[2] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بابُ مَنْ تَرَكَ صَبِيَّةَ غَيْرِهِ حَتَّى تَلْعَبَ بِهِ أَوْ قَبَّلَهَا أَوْ مَازَحَهَا، 356/2، ح 5647

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ رَحْمَةِ الوَلَدِ وَتَقْبِيلِهِ وَمُعَانَقَتِهِ، ح 6020

دونوں (حسن اور حسین رضی اللہ عنہما) دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔"

مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے اس میں اپنے نواسوں کو خوشبو سے تشبیہ دی ہے یعنی جیسے خوشبو ایک محبوب چیز ہے اسی طرح حضور ﷺ ان دونوں سے حد سے بڑھ کر محبت کرتے تھے۔ اولاد سے پیار کرنے کی تلقین دی گئی ہے۔

"ریحان" سے مراد ابن تین کے نزدیک "رزق" کے ہے یعنی یہ دونوں اللہ کی طرف سے دیے گیے "رزق وهديہ " ہیں۔

اسکا دوسرا مطلب "پھول" کے ہے یعنی یہ دونوں خوشبوؤں کے مانند ہے رسول اللہ ﷺ ان کو پھولوں کے مانند قرار دیا ہے ہر قت انہیں چھومتے رہتے تھے۔[1]

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

اس میں حضور ﷺ نے اپنے بچوں سے پیار کی تشبیہ ریحان کی ساتھ دی ہے کہ یہ دونوں میرے لیے اللہ تعالی کی طرف سے عطاء کیا گیا تحفہ ہے۔ اس میں ایک صحابیؓ سے ایک سائل کے سوال پوچھنے پر مسئلہ نہیں بتایا کہ انہوں نے حضور ﷺ کے لخت جگر کو قتل کیا تھا۔ جن سے حضور ﷺ کو بے پناہ محبت تھی۔ یعنی اولاد سے محبت اولاد کا اولین حق ہے ان کی ہر جائز ضرورت کا سب سے بڑھ کر خیال کیا جائے اور ان کے ساتھ نرمی برتی جاے تا کہ محبت کا گھوارہ ہو۔[2]

کم تعلیم یافتہ اور جہالت والے معاشروں میں بچوں سے زور زبردستی اور ان کی خوشی کے بغیر کام لیا جاتا ہے لیکن اور تعلیم یافتہ معاشروں میں بچوں کی خوشی اور اور ان کی مرضی کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے حتی کہ بچوں کے والدین بھی بچوں کی مرضی اور خوشی کے بغیر زور زبردستی کوئی کام کاج نہیں لے سکتے۔

ہر کام میں بچوں کی خوشی اور ان کی رضامندی اس لیے ضروری ہے کہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بڑے ہو کر یہی بچے والدین کے نافرمان ہو جاتے ہیں۔

حدیث اور شروحات میں اولاد سے محبت کی تاکید کی گئی ہے چونکہ والدین بچوں کے سب سے پہلے مربی ہوتے ہیں۔ اس لیے اسے چاہیے کہ اولاد کی اس فطری ضرورت پر خاص توجہ دے۔ اور اور کام زور زبردستی کے بجائے محبت سے کرائے اس سے اس کے دل میں محبت کا پہلو اجاگر ہوگا اور معاشرے میں محبت پھیلانے کا سبب بنے گا۔

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ رَحْمَةِ الوَلَدِ وَتَقْبِيلِهِ وَمُعَانَقَتِهِ، 356/2، ح5648

[2] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ رَحْمَةِ الْوَلَدِ وَتَقْبِيلِهِ وَمُعَانَقَتِهِ، 61/11، ح5994

بچوں کے ساتھ شفقت و محبت کے متعلق قول رسول ﷺ

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، قال: " قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بُنَيَّ))[1]

ترجمہ:

''سیدنا انسؓ نے کہا: ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اے چھوٹے بیٹے میرے۔''

شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

کسی چھوٹی عمر کا بچہ جو کہ بیٹے کی عمر کی ہو تو اس کے لیے یہ الفاظ ''یا ابنی'' ''یابنی'' ''یا ولدی''استعمال کرنا جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کو بیٹے کی منزلت پر رکھ کر باپ کی طرح شفقت کرنا جائز ہے۔ جب کسی پر نرمی اور شفقت کا ارادہ ہو تو اس کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال کرنا مستحب ہیں جس طرح نبی کریم ﷺ نے استعمال کیے۔[2]

بچوں کے لئے خوبصورت اور بہترین الفاظ کی ادائیگی میں بھی بہت تاثیر ہوتی ہے۔ بچوں کو بلانے یا مخاطب کرنے کے لئے اگر بہترین الفاظ کا چناؤ کیا جائے تو ان الفاظ کا اثر بچوں کے ذہنوں پر ہوتا ہے۔ بچوں کو بہترین الفاظ اور اچھے ناموں سے پکارنا ان کی تربیت کا حصہ ہے۔ آج کل کے معاشرے میں اس بات کا فقدان ہے اور اس کی بڑی وجہ باپ اور بیٹے کے درمیان ایک فاصلہ ہے جس کی وجہ سے باپ اور بیٹا ایک دوسرے کے لئے محبت کے وہ کیفیات بیان نہیں کر پاتے جس کی تعلیم نبی کریم ﷺ نے دی ہے۔

ایک بندے کے اپنے بچوں کے ساتھ حد درجہ کی شفقت ہوتی ہے اور جو کسی غیر کے بیٹے کی نے اپنے بیٹے جیسے الفاظ استعمال کیے جائیں تو یہ الفاظ بھی شفقت کے لئے ہی استعمال ہوتے ہیں۔ یہ نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ سے ثابت ہے۔

عائشہؓ بچیوں کی پرورش کی فضیلت کے متعلق بیان فرماتی ہیں کہ :

((جَاءَتْنِي امْرَأَةٌ مَعَهَا ابْنَتَانِ تَسْأَلُنِي فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي غَيْرَ تَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ، فَأَعْطَيْتُهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا، ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ، فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ، فَقَالَ:" مَنْ يَلِي مِنْ هَذِهِ الْبَنَاتِ شَيْئًا فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ

---

[1] قشیری، صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب جَوَازِ قَوْلِهِ لِغَيْرِ ابْنِهِ يَا بُنَيَّ وَاسْتِحْبَابِهِ لِلْمُلَاطَفَةِ، ح2151

[2] عثمانی، فتح الملہم، کتاب الآداب، باب جَوَازِ قَوْلِهِ لِغَيْرِ ابْنِهِ يَا بُنَيَّ وَاسْتِحْبَابِهِ لِلْمُلَاطَفَةِ، 197/4، ح5590

لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ.")) [1]

ترجمہ:

"میرے یہاں ایک عورت اپنی دو بچیاں ساتھ لائی، وہ مانگنے آئی تھی۔ میرے پاس سوا ایک کھجور کے اسے اور کچھ نہ ملا۔ میں نے اسے وہ کھجور دے دی اور اس نے وہ کھجور اپنی دونوں لڑکیوں کو تقسیم کر دی۔ پھر اٹھ کر چلی گئی اس کے بعد نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بھی اس طرح کی لڑکیوں کی پرورش کرے گا اور ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرے گا تو یہ اس کے لیے جہنم سے پردہ بن جائیں گی۔"

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

عائشہؓ کے پاس ایک عورت کسی حاجت کی غرض سے آئی، چونکہ عائشہ صدیقہؓ کے پاس سوائے ایک کھجور کے کچھ نہیں تھا تو آپؓ نے بغیر کچھ سوچے اس حاجت مند عورت کو دے دیا عورت بجائے خود کھانے کے اس نے وہ کھجور اپنے بچی کو دے دیا۔ اس میں دو چیزوں کی تاکید کی گئی ہے ایک یہ کہ بیٹیوں کے ساتھ حسن وسلوک کے ساتھ اور ان کا بہ نسبت بیٹوں کے زیادہ خیال رکھا جائے۔ مرد چونکہ وجود کے اعتبار سے مضبوط ہوتے ہیں اور عورت ہر اعتبار سے کمزور ہے اس لئے زیادہ خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس حدیث میں عائشہؓ کی سخاوت کا ذکر ہے۔ درج بالا اوصاف کے حامل لوگوں کے لیے بیٹیاں قیامت والے دن ڈھال ہو گی اور نجات کا ذریعہ ہو گی اس لیے ہمیں بیٹیوں سے بجائے رو گردانی کے زیادہ پیار کرنا چاہیے۔ [2]

مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں:

اس حدیث میں لڑکیوں سے محبت اور ان پر شفقت کا ذکر ہے۔ چونکہ لڑکیاں جسامت کے اعتبار سے مردوں سے ذرا کمزور ہیں، اس لیے ان کے حقوق کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ اور پہلے پہل زمانہ جاہلیت میں لوگ لڑکیوں کو عار سمجھتے تھے اور انہیں طرح طرح کی تکالیف دیتے تھے اس لیے حضور ﷺ نے ان کی کی تربیت کے بدلے جہنم سے چھٹکارے کا وعدہ کیا ہے۔ اسی طرح سخت مجبوری میں بقدر ضرورت سوال کرنا جائز ہے اور جس کے پاس جو بھی ہو اس کو اخلاص کے ساتھ دے دینا چاہیے۔ [3]

بچیوں کی پرورش میں کوتاہی ہمارے معاشرے کی ایک تلخ حقیقت ہے، اور اس کی کئی وجوہات ہیں: سب سے

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب رَحْمَةِ الوَلَدِ وَتَقْبِيلِهِ وَمُعَانَقَتِهِ، ح 6021

[2] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بابُ رَحْمَةِ الْوَلَدِ وَتَقْبِيلِهِ وَمُعَانَقَتِهِ، 61/11، ح5995

[3] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بابُ رَحْمَةِ الْوَلَدِ وَتَقْبِيلِهِ وَمُعَانَقَتِهِ، 356/2، ح5649

بڑی وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں لامحالہ ایک خاص عمر کے بعد بچیوں کی شادی ہو جاتی ہے اور وہ گھر کے کام کاج میں مصروف ہو جاتی ہے، تو اس لئے والدین شادی سے پہلے ان کی تعلیم و تربیت پر اس طرح سے توجہ نہیں دیتے، جس طرح ان کا حق ہے۔ بیٹے اور بیٹیوں کے پرورش میں توازن برقرار نہیں رکھ پاتے کیونکہ والدین کو بیٹیوں کی نسبت بیٹوں کی طرف سے زیادہ توقعات وابستہ ہوتے ہیں۔

اس میں بیٹیوں کی فضیلت کا ذکر ہے۔ جس طرح بیٹوں سے محبت کی جاتی ہے، اسی طرح بیٹیوں کو بھی مقام دیا جائے اس لیے کہ بیٹوں سے ہر کوئی دنیاوی مقصد کے لیے محبت کرتا ہے کہ وہ بڑا ہو کر کمائے گا، اور بیٹیوں سے محبت محض اللہ کی رضا کی لیے ہے اور اس میں کسی قسم کی لالچ نہیں ہوتی۔ اس لیے تو نبی اکرم ﷺ نے اس کے بدلے جنت کی خوشخبری دی ہے۔ اور بیٹی باپ اور جہنم کے درمیان ایک دیوار حائل کرے گا۔

عمر بن خطابؓ نے بچوں پر شفقت کے متعلق بیان کیا کہ:

((قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْيٌ، فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ قَدْ تَحْلُبُ ثَدْيَهَا تَسْقِي، إِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ أَخَذَتْهُ فَأَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَأَرْضَعَتْهُ، فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" أَتُرَوْنَ هَذِهِ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ" قُلْنَا: لَا، وَهِيَ تَقْدِرُ عَلَى أَنْ لَا تَطْرَحَهُ فَقَالَ:" لَلَّهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هَذِهِ بِوَلَدِهَا[1])).

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ قیدی آئے قیدیوں میں ایک عورت تھی جس کا پستان دودھ سے بھرا ہوا تھا اور وہ دوڑ رہی تھی، اایک بچہ اس کو قیدیوں میں ملا اس نے جلدی سے اپنے پیٹ سے لگا لیا اور اس کو دودھ پلانے لگی۔ ہم سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم خیال کر سکتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں جب تک اس کو قدرت ہو گی یہ اپنے بچے کو آگ میں نہیں پھینک سکتی۔ نبی کریم ﷺ نے اس پر فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہے جتنا یہ عورت اپنے بچہ پر مہربان ہو سکتی ہے۔"

مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں:

اس حدیث میں عورت جو کہ قید ہو کر آتی ہے، تو اس دوران اس سے اس کا بچہ گم ہو جاتا ہے تو وہ شفقت کی وجہ سے دوسرے بچوں کو دودھ پلانا شروع کرتی ہے کہ جیسے میرا بچہ بھوکا اسی طرح دوسرے بچے بھی ہونگے۔ تو آخر اسے اپنا بچہ مل جاتا ہے تو وہ فوراً گھود میں لے لیتی ہے۔ یعنی ماں کا اپنے بچے کے لیے اتنی بے چینی، تو اللہ جو ستر ماؤں سے بڑھ

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ رَحْمَةِ الوَلَدِ وَتَقْبِيلِهِ وَمُعَانَقَتِهِ 6025

کر رہے اور محبت کرنے والا ہے، تو وہ کس قدر اپنے پیارے بندے پر مہربان ہونگے اور اللہ کو اپنے بندے سے کتنی محبت ہوگی۔[1]

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

اس میں وہ عورت کی ممتا اور شفقت کا ذکر ہے کہ جیسے وہ عورت اپنے بچے کے لیے اس قدر بے تاب اور بے چین تھی تو اسی طرح اللہ رب العزت بھی اپنے بندے کے انتظار میں رہتے ہیں۔ اور اس میں اللہ تعالی وسعت رحمت کا پہلو بیان کیا گیا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے لیے بہت رحیم ہے اگر اس میں عباد کا ذکر ہے، مسلمانوں کے لیے تو ان کی رحمت اور محبت خاص یعنی باقیوں سے بڑھ کر ہوگی اس رحمت اور اس قدر محبت کے پیش نظر ہمیں کبھی بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے، اور ہر حالت میں بجائے بندوں اس ذات کی طرف توجہ اور جھکنا چاہیے۔[2]

(اس باب کی اگلی حدیث بھی اسی موضوع سے متعلق ہے)

ابو ہریرہؓ رحم اور شفقت کے متعلق بیان کرتے ہیں:

((سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:" جَعَلَ اللَّهُ الرَّحْمَةَ مِائَةَ جُزْءٍ، فَأَمْسَكَ عِنْدَهُ تِسْعَةً وَتِسْعِينَ جُزْءًا وَأَنْزَلَ فِي الْأَرْضِ جُزْءًا وَاحِدًا، فَمِنْ ذَلِكَ الْجُزْءِ يَتَرَاحَمُ الْخَلْقُ حَتَّى تَرْفَعَ الْفَرَسُ حَافِرَهَا عَنْ وَلَدِهَا خَشْيَةَ أَنْ تُصِيبَهُ))[3]

ترجمہ:

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے رحمت کے سو حصے بنائے اور اپنے پاس ان میں سے ننانوے حصے رکھے صرف ایک حصہ زمین پر اتارا اور اسی کی وجہ سے تم دیکھتے ہو کہ مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے، یہاں تک کہ گھوڑی بھی اپنے بچہ کو اپنے سم نہیں لگنے دیتی بلکہ سموں کو اٹھا لیتی ہے کہ کہیں اس سے اس کے بچہ کو تکلیف نہ پہنچے۔"

شیخ سلیم اللہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں:

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ رَحْمَةِ الْوَلَدِ وَتَقْبِيلِهِ وَمُعَانَقَتِهِ، 2/357، ح5653

[2] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ رَحْمَةِ الْوَلَدِ وَتَقْبِيلِهِ وَمُعَانَقَتِهِ، 11/62، ح5999

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابٌ جَعَلَ اللَّهُ الرَّحْمَةَ مِائَةَ جُزْءٍ، ح6026

دنیا کی تمام تر رحم، محبت وشفقت جو یہ انسان وحیوان ایک دوسرے سے کرتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے مقابلے میں صرف ایک حصے کی رحمت ہے باقی سب اللہ کے پاس ہے۔ جیسے کسی بھی ماں کا اپنے بچے کے لیے پیار اور باپ کی شفقت حضرت محمد ﷺ کا اپنی امت کے لیے غم وغیرہ سب اسی ایک رحمت ونعمت کا حصہ ہے جو اللہ نے اس دنیا میں اتارا ہے۔ تو اسی رحمت کے سبب جو اس ذات کے پاس ہے وہ اپنے بندوں پر رحم کرے گا، اور کسی بھی چھوٹی سی نیکی کے بدولت اپنے بندے کو معاف کردے گا اور وہ خوشی خوشی کامیابی کی راہ چلتا بنے گا۔اس سے مراد جنت کی نعمتیں بھی ہیں۔[1]

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

یہاں اللہ کی رحمت کا ذکر ہے۔ اللہ نے دنیا میں اپنی کل رحمت ایک ہی حصہ اتارا ہے اور اسی رحم کی بدولت تمام مخلوقات آپس میں محبت کی زندگی گذارتے ہیں۔ ماں کی ممتا، باپ کا اپنے بچوں کے لیے بغیر کسی لالچ کے تکالیف اٹھانا یہ اسی ایک حصہ رحمت کے بدولت ہے۔ اس سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی وہ رحمت جو اس نے نہیں اتاری وہ اس کی تو کوئی حد نہیں ہوگی۔ اسی رحمت کی بدولت ہی اللہ کے گنہگار بندوں کو جہنم سے چھٹکارا دے گا حضور ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی اور اپنی بیش بہا نعمتوں سے نوازے گا۔ یعنی اس کی رحمت کے بغیر کچھ بھی ممکن نہین جب تک اسکی رحمت نا ہو تو کوئی بھی نعمت میسر نہیں ہوسکتی۔[2]

رحمت اللہ تعالی کی صفت ہے اور یہ صفت اللہ تعالی کے باقی تمام مصیبتوں پر غالب صفت ہے۔ رحمان اور رحیم اللہ تعالی کے ایسی صفات ہیں جن کی وجہ تمام انسانیت تمام گناہوں اور نافرمانیوں سمیت اس کائنات پر زندگی بسر کر رہے ہیں، اور اس زمین پر رہنے والے سارے مسلمان اللہ تعالی کی اس صفت مقدسہ کی وجہ اللہ تعالی سے بخشش اور مغفرت کی امید لگائے زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔

اللہ تعالی کے بعد اسی وقت دنیا کے انسانوں میں سب سے زیادہ رحمت کی صفت موجود ہے وہ ماں کی ہستی ہے۔ اگر ماں اور بیٹے کے درمیان رحمت کی اس صفت میں کمی آرہی ہے تو اس کی ایک ہی وجہ فیملی سسٹم کا خاتمہ ہے۔ معاشی اور معاشرتی دباؤ کی اس گہما گہمی کے عالم میں فیملی سسٹم واحد سہارا ہے جو کہ والدین بچوں کے درمیان خوبصورت جذبات اور احساسات کو باقی رکھ سکتا ہے۔

اللہ کی رحمت سے بڑھ کر کوئ چیز نہیں اسی رحمت کی بدولت اللہ اپنے بندوں کی بخشش کرتا ہے اور بہشت میں داخل کرتا ہے۔ ہمیں بھی اللہ کی اس صفت کو اپنا کر ایک دوسرے پر رحم کرنا چاہئے خصوصاًان لاچاروں اور بے کس

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ جَعَلَ اللَّهُ الرَّحْمَةَ مِائَةَ جُزْءٍ، 365/2، ح5654

[2] عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب، بَابُ جَعَلَ اللَّهُ الرَّحْمَةَ مِائَةَ جُزْءٍ، 876/13ح5541

انسانوں پر جو مظلوم اور مجبور ہوتے ہیں۔

دنیا میں انسان سے سب سے زیادہ محبت کرنے والا اللہ کی ذات ہے۔اس لئے ہمیں بھی اللہ ہی سے محبت کرنی چاہیے اس کے علاوہ کوئی بھی اس سے بڑھ کر محبت کا حقدار نہیں ہے جس سے ہماری تمام تر ضروریات وابستہ ہیں۔اسی طرح معاشرے میں بھی ہمیں محبت کو فروغ دینا چاہیے۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے بچوں کی پرورش کے متعلق بیان کیا ہے:

((قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ؟ قَالَ:" أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ" قُلْتُ: ثُمَّ أَيُّ؟ قَالَ:" أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَكَ" ---))[1]

ترجمہ:

”میں نے کہا: یارسول اللہ! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے۔فرمایا یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بناؤ حالانکہ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔انہوں نے کہا پھر،اس کے بعد فرمایا یہ کہ تم اپنے لڑکے کو اس خوف سے قتل کرو کہ اگر زندہ رہا تو تمہاری روزی میں شریک ہوگا---“

مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں:

اس میں مختلف بڑے بڑے گناہوں کے بارے میں ذکر ہے۔حضورﷺ سے ایک صحابی کے یہ پوچھنے پر کہ سب سے بڑا کونسا گناہ ہے تو حضورﷺ نے اس کے جواب میں شرک کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا وہ اس لیے کہ کیسے کسی ذات کی بنائی ہوئی چیز اسکے بنانے والے کے برابر اور مساوی سمجھا جائے۔اس کے بعد اپنے بچوں کو اس خوف سے قتل کرنا کہ وہ اس کے ساتھ کھائے گا،یعنی وہ شخص بڑا بے رحم ہے جو کہ اللہ سے ناامید ہو جائے اور اور بھوک کی ڈر سے کہ بچے کو رزق کہاں سے ملے گا بچوں کو قتل کردے اس کو بھی بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے۔شرک جیسے بڑے گناہ کو اس کے ساتھ اس گناہ کو ذکر کرنے سے ہمیں اس کا ادراک ہوگیا ہے کہ اپنے بچوں سے کسی صورت میں بھی سختی نہیں کرنی چاہیے یہ بہت بڑا گناہ ہے۔[2]بہترین معاشرے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے بچوں سے محبت رکھنی چاہیے اور ان سے محبت اور ان پر رحم کرنے کے لیے اولاد کے لیے خود کو تکلیف میں ڈالنا چاہیے۔اور اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے تاکہ بچے بھی بڑے ہو کر اپنے والد کے نقش قدم پر چل کر رحم اور محبت کا پہلو اپنائے۔

عائشہؓ بچوں پر شفقت کے متعلق فرماتی ہے:

((أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" وَضَعَ صَبِيًّا فِي حَجْرِهِ يُحَنِّكُهُ فَبَالَ عَلَيْهِ،

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب قَتْلِ الوَلَدِ خَشْيَةَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَهُ، ح6027

[2] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، باب قَتْلِ الوَلَدِ خَشْيَةَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَهُ، 2/367، ح5655

فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ."))[1]

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ نے ایک بچہ (عبداللہ بن زبیر) کو اپنی گود میں بٹھلایا اور کھجور چبا کر اس کے منہ میں رکھ دی، اس نے آپ پر پیشاب کر دیا آپ نے پانی منگوا کر اس پر بہا دیا۔"

مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں:

حضور ﷺ کے پاس اس بچے کو لایا گیا تو حضور ﷺ نے اس بچے کو اپنے گود میں لیا اور انہوں نے کھجور اپنے منہ مبارک میں رکھ کر چبایا اور پھر اس بچے کو دے دیا۔ اس دوران اس بچے نے ان پر پیشاب بھی کیا حضور ﷺ چونکہ ہر کسی سے بے پناہ محبت کرتے تھے اس لیے حضور ﷺ نے پیار و محبت سے پانی منگوایا اور پیشاب کو صاف کروایا۔ یعنی کسی بھی حال میں غصہ نہیں کرنا چاہیے اور بچے چونکہ اس کے مکلف نہیں ہیں، اس لیے ان کے ساتھ ایسی صورت میں نرمی کرنی چاہیے تاکہ اس سے ان کو نرمی کا سبق حاصل ہو جائے اور وہ بھی نرمی اور درگذر سے کام لیا کرے۔2

تربیت اور اچھی تعلیم کے بغیر بچہ بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے۔ بچوں میں ابتدا ہی سے اچھی عادات ڈال دینی چاہیے ورنہ بعد میں ان کو سیدھی راہ پر لانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ بچوں کے تشخص کی خرابی میں والدین کی لڑائی ناچاقی اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا ایک بڑا سبب ہے۔ والدین بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے بچوں کو مناسب وقت نہیں دے پاتے جس کی وجہ سے وہ غلط صحبت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

حضور ﷺ ہر کسی سے محبت کرنے والے انسان تھے، خصوصاً بچوں کیلئے ان کی محبت بہت زیادہ ہوا کرتی تھی۔ اور کبھی بھی نبی ﷺ نے بچوں پر سختی نہیں کی۔ ہمیں بھی بچوں کے ساتھ پیار و محبت اور نرمی سے پیش آنا چاہیے اور ان پر ان کی کسی بھی غلطی پر بھی مار پیٹ اور ان کو ڈرانا نہیں چاہیے۔ اسی طرح وہ محبت سیکھیں گے۔ اور معاشرے میں بہترین کردار کے قابل ہو جائیں گے۔

اسامہ بن زیدؓ بچوں پر شفقت کے متعلق بیان کرتے ہیں:

((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" يَأْخُذُنِي فَيُقْعِدُنِي عَلَى فَخِذِهِ وَيُقْعِدُ الْحَسَنَ عَلَى فَخِذِهِ الْأُخْرَى، ثُمَّ يَضُمُّهُمَا، ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهُمَّ ارْحَمْهُمَا فَإِنِّي أَرْحَمُهُمَا"))[3]

1 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ وَضْعِ الصَّبِيِّ فِي الْحِجْرِ، ح6028

2 سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ وَضْعِ الصَّبِيِّ فِي الْحِجْرِ، 368/2، ح5656

3 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ وَضْعِ الصَّبِيِّ عَلَى الْفَخِذِ، ح6029

ترجمہ:

"رسول اللہ ﷺ مجھے اپنی ایک ران پر بٹھاتے تھے اور حسنؓ کو دوسری ران پر۔ پھر دونوں کو ملاتے اور فرماتے،اے اللہ! ان دونوں پر رحم کر۔ میں بھی ان پر رحم کرتا ہوں۔"

شیخ سلیم اللہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں:

حدیث میں بچوں سے محبت کا ذکر ہے نبی ﷺ کو بچوں سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اسامہؓ نے نبی ﷺ کی محبت اور رحم کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے مجھے ایک ران پر اور حسنؓ کو دوسری ران پر بٹھایا۔ حسنؓ کی عمر اس وقت بلوغت کے قریب تھی تو اس سے ظاہر ہوا کہ بڑوں کو بھی محبت کی وجہ سے گود میں بٹھا سکتا ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں جب وہ بلوغت کو نا پہنچے ہو یعنی ہمیں صرف بچوں سے نہیں بلکہ معاشرے کے ہر بچے سے محبت کرنی چاہیے۔ لیکن جب کوئی ضرورت مند، محتاج یا کوئی مسکین یتیم ہو تو باقیوں سے بڑھ کر ان سے پیار و محبت سے پیش آنا چاہیے۔[1]

رحم، پیار و محبت اچھے معاشرے کی اولین ترجیح ہے۔ جب محبت سے معاشرے کے تمام تر مسائل حل ہو سکتے ہیں تو ہمیں سختی کیوں کر کرنی چاہیے؟ بچے تو وہی سیکھتے جو عملاً ہو رہا ہو۔ آقائے دو جہاں نے اگر بچوں سے اس قدر محبت کی ہے حتیٰ کہ ان کو اپنی گود میں بھی بٹھایا ہے تو ہمیں بطریقہ اولی کرنی چاہیے۔

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ وَضْعِ الصَّبِيِّ عَلَى الْفَخِذِ، 369/2، ح5657

فصل دوم

والدین سے حسن معاشرت میں انحراف کی وجوہات اور حل

والدین حسن معاشرت اور حسن اخلاق کے سب سے زیادہ لائق ہیں۔قرآن کریم میں بھی حسن معاشرت کا ذکر جب بھی آیا ہے تو سب سے پہلے والدین کا ذکر ہے۔قرآن مجید میں والدین کو اف تک نہ کہنے کا حکم دیا گیا ہے۔اف تک نہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر والدین کوئی بات کہے تو تمہارے دل میں بھی وہ بات ناگوار نہ گزرے۔اگر کسی انسان کا اپنے والدین کے ساتھ تعلق بہترین ہو اور والدین کی دعائیں اس کے ساتھ ہو تو وہ معاشرے میں بہترین کردار ادا کرتا ہے اور لوگوں کے لیے نمونے کے طور پر ابھرتا ہے۔

ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ:

((قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ:" أُمُّكَ" قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ:" ثُمَّ أُمُّكَ" قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ:" ثُمَّ أُمُّكَ" قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ:" ثُمَّ أَبُوكَ"))[1]

ترجمہ:

"ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے اچھے سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ فرمایا کہ تمہاری ماں ہے۔پوچھا اس کے بعد کون ہے؟ فرمایا کہ تمہاری ماں ہے۔ انہوں نے پھر پوچھا اس کے بعد کون؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری ماں ہے۔انہوں نے پوچھا اس کے بعد کون ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر تمہارا باپ ہے۔"

مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں:

ایک صحابی کا تین مرتبہ پوچھنے پر کہ والدین میں حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ہر بار ایک ہی جواب ارشاد فرمایا کہ ماں کا حق بہ نسبت باپ کے زیادہ ہے اس لیے کہ وہ بہ نسبت والد کے زیادہ مشقتیں اٹھاتی ہے۔

اکثر علماء اکرام جن میں ابن بطال اور امام لیثؒ کا مسلک اس بارے میں یہی ہے کہ ماں کو ترجیح دی جائے گی لیکن والد کی اطاعت میں کوئی کمی نہ آئے۔[1]

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بابُ مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ، ح5997

مولانا سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

خدمت اور فرمانبرداری کے اعتبار سے ماں کا حق والد سے بڑھ کر ہے۔ مرد ہونے کی حیثیت سے والد کی ذمہ داری خرچ مہیا کرنے کی ہے، اور عورت باجود نازک وجود کے کئی ذمہ داریاں اپنے سر لیتی ہے۔ اس لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کی ماں کا حق باپ سے اونچا ہے اولاد باپ سے زیادہ ماں کی خدمت کرے گی۔[2]

والدین کی نافرمانی ناقدری بدسلوکی کی بڑی وجہ دینی تعلیمات سے بے خبری ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ ماں دنیا میں ایک ایسا رشتہ ہے کہ جس کا کوئی نعم البدل نہیں اس لیے کہ ماں بغیر کسی طمع ولالچ کے اپنے اولاد سے بے پناہ محبت کرتی ہے اور اپنی طاقت سے بڑھ کر انکی ضروریات پوری کرتی ہے۔

عبداللہ بن عمروؓ والدین کی اہمیت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

((نعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُجَاهِدُ قَالَ:" لَكَ أَبَوَانِ" قَالَ: نَعَمْ، قَالَ:" فَفِيهِمَا فَجَاهِد۔))[3]

ترجمہ:

"ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کیا میں بھی جہاد میں شریک ہو جاؤں؟ نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے ماں باپ موجود ہیں انہوں نے کہا کہ جی ہاں موجود ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر انہیں میں جہاد کرو۔"

شیخ سلیم اللہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں:

اس حدیث میں والدین کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر عام حالات کہ جن میں جہاد ہر فرد پر فرض نہ تب بھی والدین کی خدمت واجب ہے۔ لیکن اگر جہاد کا اعلان ہو جائے اور دوسری طرف والدین بامر مجبوری اجازت نہ دے تو ایسی صورت میں جہاد جیسی افضل عبادت کو ترک کر کے والدین کی اطاعت وخدمت مقدم ہو گی۔[4]

حضرت سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

کہ جس طرح شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی نفلی روزہ نہیں رکھ سکتی اسی طرح والد کا حق جہاد سے بڑھ کر ہے، اگر والد کو بیٹے کی ضرورت زیادہ ہو تو وہ جہاد کو چھوڑ کر والد کی خدمت کرے گا۔[5]

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بابُ مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ، 323/2، ح5657

[2] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بابُ مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ، 49/11، ح5971

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ لَا يُجَاهِدُ إِلَّا بِإِذْنِ الأَبَوَيْنِ ح5998

[4] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان ، بَابُ لاَ يُجَاهِدُ إِلاَّ بِإِذْنِ الأَبَوَيْنِ، 632/2، ح5627

[5] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ لاَ يُجَاهِدُ إِلاَّ بِإِذْنِ الأَبَوَيْنِ، 49/11، ح5972

دین سے بے خبری والدین کی نافرمانی کی وجہ سے ہے اسی طرح بیوی بچوں کو والدین پر ترجیح دینا بھی اس کی وجہ ہے۔ والدین کی قدر و منزلت کو ہر چیز سے بڑھ کر رکھا گیا حتی کے جہاد جیسی افضل ترین عبادت کو بھی موخر رکھ کر والدین کی خدمت کی تاکید کی گئی یعنی اگر والدین زندہ ہیں تو ان کی خدمت واطاعت سے بہترین کوئی عبادت نہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہماوالدین کی خدمت واطاعت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ" قِيلَ، يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَكَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ:" يَسُبُّ الرَّجُلُ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَيَسُبُّ أُمَّهُ،))[1]

ترجمہ:

"رسول ﷺ نے فرمایا: یقیناًسب سے بڑے گناہوں میں سے یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت بھیجے۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ! کوئی شخص اپنے ہی والدین پر کیسے لعنت بھیجے گا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص دوسرے کے باپ کو برا بھلا کہے گا تو دوسرا بھی اس کے باپ کو اور اس کی ماں کو برا بھلا کہے گا۔"

مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں:

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ کسی دوسرے کے ساتھ وہ سلوک مت کیا کرو جو کہ تمہیں نا پسند ہو۔ اگر کوئی دوسرے کے والدین کو برا بھلا کہے اور جواباً اس کے والدین کو گالی دی گئی یا اس کے والدین کے ساتھ کوئی ناروا حرکت کی گئی تو وہ خود اس کا مرتکب ہوا، گویا وہ خود اپنے والدین کی نافرمانی کا سبب بنا اور والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ میں آتا ہے۔[2]

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

آج کل تو اولاد کا اپنے والدین کو گالیاں اور ان پر لعن طعن کرنا عام ہو گیا ہے، لیکن بجائے اس کے کہ اپنے والدین کو گالی دے رسول اللہ ﷺ نے کسی اور کے ماں باپ کو گالی دے کر اس سے اپنے والدین کو برملا کہلوانے سے بھی منع فرمایا۔[3]

اگر بچوں کے ساتھ بہت زیادہ لاڈ پیار ہو اور انکے غلطیوں پر ان کی تادیب اور ان کے لیے کوئی سزا نہ ہو تو یہ بچوں کے لئے کوئی اچھی چیز نہیں ہے بلکہ پھر بچوں کو والدین اور دوستوں میں تمیز نہیں رہتی اور وہ حد پار کر لیتے ہیں، پھر جب زندگی میں ایسا موڑ آ جاتا ہے جہاں پر والدین کو سختی کرنی پڑے تو بچہ اس سختی کو برداشت نہیں کر پاتا۔ اور نافرمان

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ لاَ يَسُبُّ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ، ح5999

[2] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ لاَ يَسُبُّ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ، 327/2، ح5628

[3] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ لاَ يَسُبُّ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ، 50/11، ح5973

ہو جاتا ہے۔اسی طرح بچوں پر بے جا سختی، ڈانٹ ڈپٹ اور مار بھی بچوں کو ڈھیٹ سخت دل اور والدین سے بد ظن کر دیتا ہے۔والدین کی طرف سے بچوں کے لیے یہ افراط و تفریط دونوں بہت زیادہ نقصان دہ ہیں،اور والدین کے نافرمانی کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہے۔

والدین کی نافرمانی کا بنیادی سبب والدین کی غفلت ہے اور اولاد کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و تہذیب کی ذمہ داریوں میں کوتاہی ہے والدین اولاد کے لئے آئینہ ہے اور وہ آئینہ میں جو عکس پاتے ہیں، وہی اپنا لیتے ہیں اگر والدین بااخلاق اچھی عادتوں اور خوبیوں کے حامل ہوں تو اولاد بھی ان خصوصیات کو اپنے اندر سمو لیتی ہیں مگر والدین کی خصوصیات برعکس ہو تو اولاد میں بھی وہی خصوصیات آئیں گی۔دنیا اور معاش کی فکر کی وجہ سے والدین کے پاس اتنی فرصت نہیں کہ وہ بچوں کو وقت دے سکے بچے کسی اور کے گود میں پرورش پاتے ہیں جس کی وجہ سے والدین کے اچھے خصوصیات بچوں میں منتقل نہیں ہوتی۔اسی طرح بچوں کے نافرمانی کا ایک اور سبب اسی طرح بچوں کی نافرمانی کا ایک اور سبب والدین کے درمیان ناچاقی لڑائی جھگڑے اور نااتفاقی ہے۔

اس حدیث میں ماں باپ کو کسی بھی طریقے سے تکلیف دینے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا گیا کہ دوسروں کے والدین کی قدر کرو اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آو تو تب ہی تمہارے والدین کی عزت و آبرو کا خیال رکھا جائے گا اور کوئی بھی بیچ نظروں سے نہیں دیکھے گا۔

ابن عمرؓ والدین کی خدمت کے متعلق حدیث مبارکہ نقل کرتے ہیں کہ :

((عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ يَتَمَاشَوْنَ أَخَذَهُمُ الْمَطَرُ فَمَالُوا إِلَى غَارٍ فِي الْجَبَلِ فَانْحَطَّتْ عَلَى فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ ،،،، فَقَالَ أَحَدُهُمْ: اللَّهُمَّ إِنَّهُ كَانَ لِي وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيرَانِ وَلِي صِبْيَةٌ صِغَارٌ كُنْتُ أَرْعَى عَلَيْهِمْ، فَإِذَا رُحْتُ عَلَيْهِمْ فَحَلَبْتُ بَدَأْتُ بِوَالِدَيَّ أَسْقِهِمَا قَبْلَ وَلَدِي،-----وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَيَّ، فَلَمْ يَزَلْ ذَلِكَ دَأْبِي وَدَأْبَهُمْ حَتَّى طَلَعَ الْفَجْرُ، فَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ لَنَا فُرْجَةً نَرَى مِنْهَا السَّمَاءَ، فَفَرَجَ اللَّهُ لَهُمْ فُرْجَةً حَتَّى يَرَوْنَ مِنْهَا السَّمَاءَ،))[1]

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ إِجَابَةِ دُعَاءِ مَنْ بَرَّ وَالِدَيْهِ، ح6000

ذکر شدہ حدیث میں مشہور واقعہ ذکر ہے کہ تین بندوں پر غار کا منہ بند ہو گیا تو توانہوں نے اپنے اپنے اچھے اعمال اللہ کے سامنے غار کا دھانہ کھولنے کے لیے پیش کیے۔ایک بندہ اپنے والدین کا ذکر کرتا ہے کہ میں جب رات کو آتا ہوں توان کے لیے دودھ ہاتھ میں پکڑتا ہوں اور میں اپنے بچوں کو والدین سے پہلے دودھ نہیں پلاتا ایک رات جب میں کسی کام کی وجہ سے سے تاخیر سے گھر آگیا تو میرے والدین سو چکے تھے،میں ان کے سرہانے دودھ لے کر کھڑا ہو گیا تاکہ ان کو جگانے سے ان کی نیند میں خلل نہ ہو اس دوران میرے بچے میرے پاؤں میں بھوک کی وجہ سے بلبلا رہے تھے

ترجمہ:

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمی چل رہے تھے کہ بارش نے انہیں آلیا اور انہوں نے مڑ کر پہاڑی کی غار میں پناہ لی۔ اس کے بعد ان کے غار کے منہ پر پہاڑ کی ایک چٹان گری اور اس کا منہ بند ہو گیا۔۔۔اس پر ان میں سے ایک نے کہا: اے اللہ! میرے والدین تھے اور بہت بوڑھے تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ میں ان کے لیے بکریاں چراتا تھا اور واپس آکر دودھ نکالتا تو سب سے پہلے حتی کہ اپنے بچوں سے بھی پہلے اپنے والدین کو پلاتا تھا۔۔۔بچے بھوک سے میرے قدموں پر لوٹ رہے تھے اور اسی کشمکش میں صبح ہو گئی۔ پس اے اللہ! اگر تیرے علم میں بھی یہ کام میں نے صرف تیری رضا حاصل کرنے کے لیے کیا تھا تو ہمارے لیے کشادگی پیدا کر دے کہ ہم آسمان دیکھ سکیں۔“

مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ نے فرمایا:

اس میں والدین کی اطاعت کے صلہ اور انعام کا ذکر ہے جس میں تین ادمی کسی غار میں بند ہو جاتے ہیں۔ جو اپنے اپنے نیک عمل کے وسیلے سے اللہ سے دعا کرتے ہیں تا کہ نیک عمل کی وجہ سے ان پر آئی ہوئی مصیبت ان سے ٹل جائے ، جن میں سے ایک شخص اپنے ولدین کے ساتھ کی گئی ایک نیکی کو وسیلہ بناتا ہے جس میں اس شخص نے باوجود اولاد کے بھوکے پیاسے ہونے کے اپنے والدین کو مقدم رکھا اور ان کی خدمت میں کوئی کمی نہ چھوڑی تو اسی وسیلے اس سے وہ مصیبت ٹل گئی۔[1]

مولانا سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ تین آدمی جو کسی مصیبت میں پھنس گئے تھے تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے کسی نیک کام کے وسیلے سے اللہ سے نجات کی دعا کی۔ ان میں سے ایک شخص جس نے اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک کو وسیلے کے طور پر پیش کیا تھا تو اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی، یعنی ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ دعاؤ کی قبولیت اور کامیابیاں سمیٹنے کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔[2]

بچوں میں والدین کی بڑھتی ہوئی بے ادبی کے کچھ اسباب ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

تھے لیکن میں نے اپنے والدین پر بچوں کو ترجیح دینا مناسب نہیں سمجھا، بندے کے اس عمل کی وجہ سے غار کے منہ سے تھوڑا پتھر سرک گیا اور منہ کھل گیا۔

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ إِجَابَةِ دُعَاءِ مَنْ بَرَّ وَالِدَيْهِ، ج331/2، ح5629

[2] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ إِجَابَةِ دُعَاءِ مَنْ بَرَّ وَالِدَيْهِ ، 51/11، ح5974

I. اولاد کے ساتھ محبت میں بہت آگے بڑھ جانا ہے جس کی وجہ سے اولاد والدین کا درجہ نظر انداز کر کے بے ادبی کر دیتے ہیں۔

II. اولاد پر حد سے زیادہ سختی کرنا جس کی وجہ سے بچے اپنے والدین کے ساتھ وقت گزارنا پسند نہیں کرتے اور اور والدین کی شفقت اور تربیت نہ ملنے کی وجہ سے بے ادب بن جاتے ہیں۔

III. والدین اپنے بچوں کو مناسب وقت نہیں دیتے جس کی وجہ سے وہ بچوں کی بہترین تربیت کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔آگے جا کر ان کی تربیت کی کمی بچوں کی عملی زندگی میں نظر آجاتی ہے۔

اس سے ہمیں اس بات کا اندازہ ہوا کہ والدین کی اطاعت و خدمت دعاؤں کی قبولیت کا ذریعہ ہے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے کیونکہ وہ والدین ہی ہیں، جنہوں نے ہر قسم کی تکالیف جھیل کر ہی ہمیں اس مقام تک پہنچایا ہے۔

فصل سوم

پڑوسیوں کے ساتھ حسن معاشرت سے انحراف کی وجوہات اور حل

معاشرے کا ایک اہم اور لازمی جُز پڑوسی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پڑوسی کے بہت زیادہ حقوق بیان کئے ہیں۔ بہترین پڑوسی ایک خونی رشتہ دار کی طرح ہے کہ جس طرح ایک رشتہ دار اور خاندان کے لوگ ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہیں مصیبت اور خوشی میں ایک دوسرے کے کام آتے ہیں اسی طرح ایک قریبی پڑوسی بھی غم اور خوشی میں کام بھی آتا ہے اور مدد کرتا ہے۔

لسان العرب میں ہے:

"جار سے مراد ہر وہ شخص ہے جو تیرے ہمسائیگی میں رہتا ہو، وہ چاہے مسلمان ہو یا کافر، نیک ہو یا گناہگار، دوست ہو یا دشمن، نفع دینے والا ہو یا نقصان دینے والا، ہو اپنا ہو یا غیر ہوں اور ملکی ہو یا غیر ملکی ہو۔"

اسی طرح ہمسائیگی صرف سکونت کی حد تک محدود نہیں بلکہ بازار، دکان، زمین، سکول، کالج اور دوسرے چیزوں میں بھی آتی ہے۔ ایک ہمسائے کے دوسرے ہمسائے پر بہت زیادہ حقوق ہیں جن میں جن میں سب سے بنیادی اور اہم حق یہ ہے کہ ایک ہمسایہ دوسرے ہمسائے کے شرور سے محفوظ ہوں، ایک ہمسائے کے کسی بھی عمل کی وجہ سے دوسرا ہمسایہ تکلیف میں نہ ہو۔ لیکن اس اہم اور بنیادی حقوق کی پامالی بڑے درجے پر ہوتی ہے۔

حالانکہ ہمسایوں کا خیال نہ رکھنا قیامت کی نشانیوں میں سے شمار کیا گیا ہے جیسا کہ مسند بزار کی روایت ہے۔

"اللہ کی قسم کی قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کہ (لوگوں میں) برے ہمسائیگی نہ آئے۔"[1]

شریعت کا پڑوسی کو شفعہ کا حق دینا اس بات کی دلیل ہے کہ ایک پڑوسی کے دوسرے پڑوسی پر بہت زیادہ حقوق ہیں۔

لیکن صورتحال یہ ہے کہ ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کو تنگ کرنے یا تکلیف پہنچانے سے گریز نہیں کرتا اور پڑوسی کے حقوق میں کوتاہی کرتا ہے۔

دنیاوی امور میں ہمسائے کے ساتھ تعاون نہیں کیا جاتا۔ ہر شخص اپنی معاش، اولاد اور خاندان کی فکر میں اتنا مصروف ہے کہ اس کو آس پاس کے پڑوسیوں کا خیال تک نہیں رہتا۔ انسانی زندگی میں ہر قسم کے واقعات پیش آتے ہیں۔ بیماری، کمزوری، ضرورتمندی، شادی، غمی، اور فوتگی جیسے بہت سے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان حالات میں

---

[1] البزار، احمد بن عمر، مسند البزار (مدینہ منورہ: مکتبہ العلوم والحکم، 2009م) ج6، ص410

ہمسائے کے ساتھ تعاون کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اس کے ساتھ ہمدردی بھی ہوں اور تکلیف اور مشقت میں کمی بھی ہو۔

ایک ہمسایہ کو دوسرے ہمسائے کی طرف سے مختلف قسم کے دشواریوں، سختیوں اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے حالانکہ ہمسایوں کو تکلیف دینا جہنم کے داخل ہونے کا سبب ہے ایک دفعہ نبی ﷺ کی مجلس میں ایک ایسی عورت کا ذکر ہوا جو نماز روزے کے پابند تھی لیکن اپنے ہمسائیوں کو تکلیف دیتی رہتی تھی اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے رات رسول اللہ ﷺ کو ایک عورت کے بارے میں بتایا گیا کہ فلاں عورت دن کو روزہ رکھتی ہے اور رات کو تہجد پڑتی ہے لیکن اپنے ہمسائیوں کو تکلیف دیتی ہے آپ نے فرمایا اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ وہ دوزخی ہے پھر ایک دوسری عورت کے بارے میں بتایا کہ وہ صرف فرض نمازوں کی پابند ہے لیکن اپنے ہمسائیوں کو تکلیف نہیں دیتی ہے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ جنتی عورت ہے۔[1]

ذیل میں پڑوسی کے حقوق اور ان کے ساتھ بہترین معاشرت اختیار کرنے کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔

عائشہؓ پڑوسی کے متعلق فرماتی ہیں:

((عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" مَا زَالَ يُوصِينِي جِبْرِيلُ بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ."))[2]

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جبرائیل علیہ السلام مجھے پڑوسی کے بارے میں بار بار اس طرح وصیت کرتے رہے کہ مجھے خیال گزرا کہ شاید پڑوسی کو وراثت میں شریک نہ کردیں۔"

شیخ سلیم اللہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں:

اس میں پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ نبی ﷺ نے پڑوسی کے حقوق کی اس قدر تاکید کی کہ میراث میں شامل ہونے کا شک ہوا۔ یہ تاکید اس بات پر دلیل ہے کہ ضرورت کے وقت پڑوسیوں کی ضرورت پوری کی جائے، اور پڑوسی ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں برابر شریک ہو تاکہ بوجھ ہلکا ہو۔ اور ایک دوسرے کو نقصان دینے سے رکے رہے اور باہم مل کر معاملات و مسائل حل کرے، اسی صورت میں ایک بہترین معاشرہ تشکیل ہوگا اور اس طرح کوئی بھی قوت ایسے معاشرے کو مات نہیں دے سکتا جو باہمی اتفاق سے رہے۔[1]

---

[1] البزار، مسند البزار، ج17، ص12

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ الوَصَاةِ بِالْجَارِ، ح6042

پڑوسیوں اور آس پاس کے لوگوں کے حقوق سے بے اعتنائی کرنے کی بڑی وجہ ہمارے اندر احساس اور دوسرے کے خیال رکھنے کی کمی ہے۔انسان کا اپنے والدین اور رشتہ داروں کے علاوہ جن سے واسطہ پڑتا ہے وہ پڑوسی ہیں ایک بہترین معاشرے کی خاطر پڑوسیوں سے اچھے تعلقات بنانے چاہیے اور ان کے ساتھ پیار ومحبت اتحاد واتفاق سے رہنا چاہیے تاکہ ایک مظبوط معاشرہ کی بنیاد بنے۔

ابو شریح پڑوسی کے متعلق فرماتے ہیں:

((أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ" قِيلَ: وَمَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ:" الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَايِقَهُ"))[2]

ترجمہ:

''نبی کریم ﷺ نے بیان کیا ''واللہ! وہ ایمان والا نہیں۔واللہ! وہ ایمان والا نہیں۔واللہ! وہ ایمان والا نہیں۔ عرض کیا گیا کون: یارسول اللہ؟فرمایا وہ جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔''

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

اس حدیث میں ہمسائیوں کے ساتھ بہترین سلوک اور ان کو ایذا نہ دینے کا حکم کیا گیا ہے اور تکلیف دینے کی صورت مومن قرار نہیں پائے گا۔یہاں ایمان سے مراد کامل ایمان ہے۔

ایمان کے کامل ہونے کے لیے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کو تکلیف نہ دینے اور ان کے ساتھ شریفانہ برتاؤ رکھا جائے۔اس کی اتنی تاکید اس لیے کی گئ ہے کہ رشتہ داروں سے زیادہ واسطہ پڑوسیوں سے پڑتا ہے۔اور اگر پڑوسیوں کا ایک دوسرے سے تعلق اور رویہ اچھا نا ہو تو اس سے پورے معاشرے میں دراڑ آئے گی اور لوگ ایک دوسرے کے درپے ہو جایئں گے۔

اس حدیث میں "بوائق" " بائقة" کی جمع ہے اس کے معنی ہے ''ھلاک کرنے والی یا ہلاکت خیز''۔[3]

حقوق کی پامالی کی بڑی وجہ دینی علوم اور مسائل سے لاعلمی ہے۔حسن معاشرت کے لیے ضروری ہے کہ پڑوسیوں کا ہر صورت خیال رکھا جائے ان کے غم اور خوشی میں شریک ہوں۔ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں۔ایک دوسرے کے ساتھ مالی واخلاقی تعاون کرے۔مشکل میں ایک دوسرے کا سہارا بنے ہر ایک دوسرے کے درد کو اپنا درد سمجھے ایسی صورت میں ایک بہترین معاشرہ بنے گا۔

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ الوِصَاةِ بِالْجَارِ،380/2،ح5668

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ إِثْمِ مَنْ لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَايِقَهُ، ح6044

[3] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ إِثْمِ مَنْ لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَايِقَهُ 72/2،ح6016

ابوہریرہؓ پڑوسی کے حقوق کے متعلق بیان کرتے ہیں:

((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:" يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ."))[1]

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے "اے مسلمان عورتو! تم میں سے کوئی عورت اپنی کسی پڑوسن کے لیے کسی بھی چیز کو (ہدیہ میں) دینے کے لیے حقیر نہ سمجھے خواہ بکری کا پایہ ہی کیوں نہ ہو۔"

شیخ سلیم اللہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں:

کہ اس حدیث میں پڑوسیوں میں سے عورتوں کا ایک دوسرے سے بہترین اور مظبوط تعلق رکھنے کا ذکر ہے وہ اس طرح کہ اگر کوئی عورت دوسری عورت کے گھر بطور تحفہ کوئی چیز بھیجے تو وہ اس کو معمولی یا کم ہونے کی وجہ سے کم تر نہ سمجھے، کیونکہ اصل چیز محبت دوستی اور تعلق کو برقرار رکھنا ہے جو وہ رکھ رہی ہے یعنی اپنے پڑوسی کی کسی بھی چیز کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ وہ اللہ کا حکم تو بجالا رہی ہے اور پڑوسیوں کا حق ادا کر رہی ہے۔ اگر وہ تحفہ یا وہ چیز تھوڑی ہے تو وہ اپنے استطاعت کے مطابق دے رہی ہے تو اسی لیے اس کو قبول کرنا چاہیے اور اس کو اس نیکی پر سراہنا چاہیے۔[2]

تحفہ بھیجنے کا رواج بھی فوت ہو رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس کو حقیر سمجھتے ہیں اور اس کو توجہ نہیں دیتے۔ حسن معاشرت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ ایسی چھوٹی موٹی چیز کو قبول کر لینا جو مقدار میں کم ہو، اس میں بہت بڑا ثواب ہے کیونکہ اس میں کسی دوسرے مسلمان کے دل کو پریشانی اور دکھ نادینے سے رکنا ہے اور اس سے ایک دوسرے کے لیے عزت بڑھتی ہے اور معاشرے کا ہر فرد معزز قرار پاتا ہے۔

ابوہریرہؓ پڑوسی کے حقوق کے متعلق بیان کرتے ہیں:

((قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ))[3]

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب لا تحقرن جارۃ لجارتھا، ح6046

[2] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، باب لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا، 386/2، ح5671

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ، ح6047

ترجمہ:

''جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اچھی بات زبان سے نکالے ورنہ خاموش رہے۔''

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

اس حدیث میں پڑوسیوں کے حقوق میں سے منفی پہلو کا ذکر ہے کہ اس میں ایمان کے کامل ہونے کے لیے پڑوسیوں کو ایذاو تکلیف نادینے کو شرط قرار دیا ہے اور اگر خیال نہ رکھا جائے اور مہمان نوازی نہ کی جائے تو ایمان میں نقص اور کمی آسکتی ہے۔

امام طبرانی ابو شیخؒ نے پڑوسیوں کے چند حقوق کا تذکرہ کیا ہے کہ اس کے ساتھ مشکل میں تعاون کیا جائے، بیماری کے وقت بیمار پرسی کی جائے اور کوئی بھی ایسا کام نہ کرے جس سے ان کی ہتک ہو یا اس کو کوئی تکلیف پہنچے، یا جس سے اس کا دل دکھے اور ناراضگی کا سبب بنے۔ اس سے پڑوسیوں کا آپس میں اتحاد واتفاق پیدا ہو گا اور اندرونی معاملات درست رہیں گے اور جس سے ان کے بچوں پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔[1]

اس حدیث نے حسن معاشرت کے ایک اور پہلو کی نشاندہی کی ہے وہ اس طرح کے اگر پڑوسیوں کے ساتھ کوئی بھلائی نہیں کر سکتے ہو تو ان کو تکلیف دینے سے گریز کیا جائے اور ان کو تکلیف دے کر پورے معاشرے کو خرابی کی طرف نہ دھکیلے۔ اگر کسی کے ساتھ بھلائی نہیں کر سکتے ہو تو برائی بھی نہ کی جائے۔

عائشہؓ پڑوسی کے حقوق کے متعلق بیان کرتی ہیں:

((قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ:" إِنَّ لِي جَارَيْنِ فَإِلَى أَيِّهِمَا أُهْدِي؟ قَالَ: إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بابا.")) [2]

ترجمہ:

''میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میری پڑوسنیں ہیں (اگر ہدیہ ایک ہو تو) میں ان میں سے کس کے پاس ہدیہ بھیجوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس کا دروازہ تم سے (تمہارے دروازے سے) زیادہ قریب ہو۔''

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلاَ يُؤْذِ جَارَهُ 2/386، ح5671

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ حَقِّ الْجِوَارِ فِي قُرْبِ الأَبْوَابِ،، ح6049

شیخ سلیم اللہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں:

پڑوسیوں کے حقوق کے بارے بیان فرماتے ہیں کہ پڑوسیوں کے حقوق کونسے ہیں؟اور کس صورت میں ان کا خیال اوران کی مدد کی جاسکتی ہے۔ضرورت کے وقت ان کو قرض دینا، مشکل میں مدد کرنا، بیمار پرسی اور اس طرح جو بھی ضرورت ہواس کوپورا کرنااور ہر قسم کی تکلیف سے ان کو دور رکھنا یہ سب ان حقوق میں آتاہے۔[1]

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

پہلی احادیث میں مطلق پڑوسیوں کا ذکر تھا اب اس میں ان پڑوسیوں کا جو گھر کے قریب ہو اُن کا حق دور کے پڑوسیوں سے زیادہ ہے وہ اسلیے کہ زیادہ تر واسطہ قریب کے پڑوسیوں سے پڑتاہے ہر ضرورت میں سب سے پہلے شانہ بشانہ کھڑے ہونے والے، کسی بھی مصیبت میں سب سے پہلے مدد کو پہنچنے والے قریبی ہوتے ہیں۔تواگراس صورت میں دوروالوں کو مقدم کریں گے توقریب والوں کولازمی معلوم ہوگا۔اس صورت میں وہ ناراض ہوسکتے ہیں اوراس سے وہ ایک دوسرے سے متنفر ہوجائیں گے اس لیے قریب والے کو مقدم کرنا مستحب ہے۔[2]

قریبی پڑوسیوں سے تعلق کی کمی کی وجہ ان کی غمی اور خوشی میں شرکت نہ کرنا ہے۔عدم توجہ اور عدم دلچسپی بھی تعلق کی کمزوری کی وجہ ہے۔پڑوسی کا حق سب سے بڑھ کر ہے اور جس کا گھر قریب ہواس کے ساتھ توپوری زندگی واسطہ ہے اسلیے اس کے ساتھ بہترین سلوک کیاجائےاوران حقوق کو جو حدیث میں ذکر کیے گئے ہےان کو بہر صورت پوراکیاجائےتاکہ ان کاآپس میں پیار ومحبت بڑھے اور تعلق میں نکھار آئے،ایسی صورت میں ایک بہترین معاشرہ بنے گا لوگوں کی اپس میں دلجوئی پیداہوگی۔

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان،، بَابُ حَقِّ الْجِوَارِ فِي قُرْبِ الأَبْوَابِ ،389/2،ح5674

[2] عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب، بَابُ حَقِّ الْجِوَارِ فِي قُرْبِ الأَبْوَابِ ،892/13ح5561

باب چہارم

صلہ رحمی، رفاہ عامہ، اور غیر مسلموں سے حسن معاشرت سے انحراف کی وجوہات اور حل

فصل اول: صلہ رحمی سے انحراف کی وجوہات اور حل

فصل دوم: رفاہ عامہ سے انحراف کی وجوہات اور حل

فصل سوم: غیر مسلموں کے ساتھ حسن معاشرت سے انحراف کی وجوہات اور حل

فصل اول

صلہ رحمی سے انحراف کی وجوہات اور حل

صلہ رحمی[1] حسن معاشرت کیلئے بنیادی امر اور اہم رکن ہے، اس کے بغیر ایک معاشرے میں حسن معاشرت ناممکن ہے صلہ رحمی سے معاشرہ حسین اور ایک متوازن حیثیت میں رہتا ہے صلہ رحمی کے بارے میں نازل شدہ قرآنی آیات اور احادیث پر عمل کیا جائے تو معاشرے میں موجود فساد اور برائیوں کا خاتمہ یقینی ہے۔ جیسا کی حدیث مبارکہ میں بیان ہے:

ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں:

((قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ، فَقَالَ الْقَوْمُ: مَا لَهُ مَا لَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَرَبٌ مَا لَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" تَعْبُدُ اللَّهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ" ذَرْهَا قَالَ: كَأَنَّهُ كَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ..))[2]

ترجمہ:

''یارسول اللہ! کوئی ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں لے جائے۔اس پر لوگوں نے کہا کہ اسے کیا ہو گیا ہے، اسے کیا ہو گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیوں ہو کیا گیا ہے؟ اس کو ضرورت ہے بیچارہ اس لیے پوچھتا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کر، نماز قائم کر، زکوٰۃ دیتے رہو اور صلہ رحمی کرتے رہو۔(بس یہ اعمال تجھ کو جنت میں لے جائیں گے) چل اب نکیل چھوڑ دے۔ راوی نے کہا شاید اس وقت نبی کریم ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔''

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ بھی حسن سلوک قرابت اور صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے قرآن کریم میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کا ذکر ذوی القربی کے عنوان سے کیا گیا ہے اس کا مطلب رشتہ دار ہے اور رشتہ عام ہے خواہ کوئی بھی

---

[1] ''رحم'' را کے فتحہ اور حا کے کسرہ کے ساتھ رشتے کو کہتے ہیں اور ''ذورحم'' رشتہ دار کو کہتے ہیں چاہے وراثت میں ان کا حصہ ہوں یا نہ ہوں ''شجنہ''، جیم کے سکون کے ساتھ مشہور ہے اور ان کی ضمہ اور فتح کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے یہ گھنے درخت کی شاخ کو کہتے ہیں

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب فضل صلۃ الرحم، 885/2

رشتہ ہو سب کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کرنا ضروری امر ہے، ایک شخص نے نبی ﷺ کی سواری کی لگام پکڑی اور پوچھا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں کہ جو مجھے جنت میں لے کر جائے تو لوگوں نے تعجب کیا کہ یہ کیسی بات پوچھ رہا ہے نبی ﷺ نے فرمایا اس بندے کی ایک حاجت ہے آپ کیوں اسے ٹوک رہے ہو تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، زکوۃ ادا کرو، صلہ رحمی کرو۔[1]

حدیث سے اہل قرابت اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی اور بہترین سلوک کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

سلیم اللہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں:

سواری کو چھوڑنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہے ایک یہ کہ وہ خود سواری پر سوار تھے نبی کریم ﷺ کے پاس سواری کھڑی کر کے جلدی میں اس نے سوال پوچھا جب آپ ﷺ نے جواب دیا تو فرمایا کہ آپ اپنی سواری کو چھوڑ کر چلے جائیں، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ نبی ﷺ سواری پر سوار تھے سائل آکر آپ کی سواری کو لگام سے پکڑا اور یہ سوال پوچھا، جب نبی ﷺ نے جواب دے دیا تو فرمایا کہ اب آپ میری سواری کو جانے دیں، بہر حال جو بھی صورت مراد ہو تو اس سے صلہ رحمی کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مصروفیت کے باوجود باقی صحابہ کو خاموش کرا کے جواب دیا۔[2]

آج کل سائل سے بے رخی اور بے اعتنائی کی جاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سائل کو توجہ سے نہیں سنا جاتا سائل کو حقیر سمجھا جاتا ہے سائل کا سوال لایعنی تصور کیا جاتا ہے۔ شارحین نے صلہ رحمی کی ضرورت اور اہمیت اس حدیث سے اخذ کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سواری پر ہونے کے باوجود ایک اجنبی سائل کو رک کر تسلی سے جواب دیا، ملامت کرنے پر صحابہؓ کو منع بھی کر دیا کہ ان کا سوال ضروری ہے اور ان کو سوال کرنے دیں۔

صلہ رحمی کے معلق نبی ﷺ فرماتے ہیں:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : (مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ أَوْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ))[3]

---

[1] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، باب فضل صلۃ الرحم، 55/11، ح5983

[2] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الادب، باب فضل صلۃ الرحم، 346/2

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب من بسط لہ فی الرزق بصلۃ الرحم، 885/2 اسی باب میں اس جیسی ایک اور حدیث بھی ''من احب ان یبسط'' کے الفاظ کی زیادتی کے ساتھ انس بن مالک کے روایت کے ساتھ ذکر ہے۔

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جسے پسند ہے کہ اس کی روزی میں فراخی ہو اور اس کی عمر دراز کی جائے تو وہ صلہ رحمی کیا کرے۔"

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

اپنے برادری اور عزیز و اقارب کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے عمر زیادہ ہونے کا مطلب عمر میں برکت پیدا ہو جاتی ہے اور عمر میں اللہ تعالی کی بندگی اور عبادت کی توفیق دیتا ہے، اور گناہوں سے بچنے کی طاقت دیتا ہے اور مرنے کے بعد اس کا نام باقی رہتا ہے، مرنے کے بعد اس کا ثواب اس کے حق میں علم نافع، صدقہ جاریہ اور نیک اولاد کی صورت میں جاری رہتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کی عقل اور دماغ میں کوئی آفت نہیں آتی اور اس کے حواس آخر عمر تک باقی رہتے ہیں۔[1]

مولانا سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

نسا کے معنی مؤخر کرنے کے ہیں اس سے مراد اجل ہے یعنی اس آدمی کے اجل میں تاخیر کر دی جاتی ہے اور عمر میں اضافہ کر دیا جاتا ہے اس سے نشانات قدم بھی مراد ہے کہ عمر دراز ہوتی ہے تو نشان قدم کا سلسلہ دیر تک جاری رہتا ہے۔

قران کریم کی آیت (وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ)[2] میں تعارض کا جواب یہ ہوگا کہ یہاں سے مراد تقدیر مبرم[3] ہے اور حدیث میں تقدیر سے مراد تقدیر معلق ہے۔ فرشتوں کے سامنے ایک تقدیر معلق ہوتی ہیں مثلاً لکھا ہوتا ہے کہ فلاں شخص کی عمر ساٹھ سال ہوگی لیکن اگر اس نے صلہ رحمی کی تو چالیس سال سے بڑھا دیئے جائیں گے تو اللہ تعالی کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ صلہ رحمی کرے گا یا نہیں۔

ایک اور جواب یہ دیا گیا ہے کہ عمر میں اضافہ سے مراد مدت عمر میں اضافہ نہیں بلکہ اس میں نیکیوں اطاعت عبادات اور نیک اعمال کا اضافہ ہوتا ہے کہ اس کی نیک اولاد ہوگی جو اس کے لیے دعا کرے گی۔[4]

حسن معاشرت سے بے رخی اور کوتاہی عام ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم رشتوں کی اہمیت کو نہیں پہچانتے۔ شروحات صلہ رحمی کی اہمیت اور افادیت پر زور دیتی ہے اور تاکید کرتی ہے کہ صلہ رحمی کی افادیت ضروری ہے اور ہر

---

[1] عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب، باب من بسط لہ فی الرزق بصلۃ الرحم 516/13

[2] مریم: 34

[3] تقدیر مبرم سے مراد یہ ہے کہ عمر مقرر ہے اس میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہو سکتا۔

[4] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان،، جلد 2، مکتبہ فاروقیہ، صفحہ 348

صورت میں ہے، یا زندگی میں برکت پیدا ہونے کی صورت میں ہے کہ صلہ رحمی کرنے والے بندے کی عمر میں قدرت اضافہ کرے گا یا اس کی زندگی میں برکت ہو گی اور مرنے کے بعد بھی اس کے درجات کی بلندی کے لئے دنیا میں اللہ تعالیٰ وسائل مہیا کرے گا۔

صلہ رحمی کی اہمیت:

((عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الْخَلْقَ حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِهِ قَالَتْ: الرَّحِمُ هَذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيعَةِ قَالَ: نَعَمْ، أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ أَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَأَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ؟، قَالَتْ: بَلَى يَا رَبِّ، قَالَ فَهُوَ لَكِ،[1]))

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی اور جب اس سے فراغت ہوئی تو رحم نے عرض کیا کہ یہ اس شخص کی جگہ ہے جو قطع رحمی سے تیری پناہ مانگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں کیا تم اس پر راضی نہیں کہ میں اس سے جوڑوں گا جو تم سے اپنے آپ کو جوڑے اور اس سے توڑ لوں گا جو تم سے اپنے آپ کو توڑ لے؟ رحم نے کہا کیوں نہیں، اے رب! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پس یہ تجھ کو دیا۔"

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

صلہ رحمی کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ صلہ رحمی کرنے والے کو اپنے ساتھ جوڑتے ہیں اور اس پر رحم فرماتے ہیں اور جس کو اللہ کا قرب حاصل ہو جائے تو اس کے لئے دنیا اور آخرت کی ساری منزلیں آسان ہو جاتی ہیں۔

اور صلہ رحمی اور ناطے سے یہ وعدہ کیا ہے کہ جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑ دوں گا اور تجھے جو تجھے قطع کرے گا تو میں اسے میں اپنے آپ سے دور کر دوں گا۔[2]

صلہ رحمی کی ضرورت واہمیت:

((عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" الرَّحِمُ شِجْنَةٌ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعْتُهُ))[3]

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب فضل صلۃ الرحم، 885/2

[2] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، باب من وصل وصلہ اللہ، 57/11، ح 5987

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب من وصل وصلہ اللہ، 885/2، اسی باب کی اگلی حدیث إن الرحم شجنة من الرحمن، فقال الله کی زیادتی کے ساتھ آئی ہے۔

ترجمہ:

"آپ ﷺ نے فرمایا کہ رحم (رشتہ داری رحمن سے ملی ہوئی) شاخ ہے جو شخص اس سے ملے میں اس سے ملتا ہوں اور جو اس سے قطع تعلق کرے میں اس سے قطع تعلق کرتا ہوں۔"

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑ دوں گا اور جو تجھے توڑے گا میں اسے توڑ دوں گا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالی کے لیے اپنے رشتہ داروں اور ہر کسی کے ساتھ صلہ رحمی اور تعلق رکھتا ہے اللہ تعالی اپنے فضل و احسان سے نوازتا ہے اور خطرات کم کرتا ہے اور اس کا خیال نہیں رکھتا تو اللہ تعالی اپنے فضل و احسان سے اسے محروم کرتا ہے اور اس کو مصائب و آلام اور آفات میں مبتلا کر دیتا ہے۔[1]

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

کہ صلہ رحمی کی شاخیں اللہ تعالی کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ جو تجھے جوڑے گا میں اس کو جوڑ دوں گا اور وہ تجھے کاٹے گا میں اس کو کاٹوں گا شجنہ کا مطلب گھنی ٹہنی اور الجھی ہوئی شاخیں ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ شاخوں کا ایک دوسرے درخت کی شاخوں میں پیوست ہونا اور یہ انتہائی درجہ کے قریب کی تعبیر ہے۔[2]

آج کل کے معاشرے میں صلہ رحمی سے بے رخی عام بات ہے اس کی وجہ رشتوں کی اہمیت کا احساس کا نہ ہونا ہے دوسروں سے تعلق کو بوجھ سمجھا جاتا ہے اور تنہائی اختیار کی جاتی ہے۔ یہاں پر صلہ رحمی اور ایک دوسرے کے ساتھ بہترین تعلق کو لفظ شجنہ کے ساتھ بیان کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ درختوں کے ساتھ اس کی شاخیں اور اس کی ٹہنیاں جتنی مضبوطی سے جڑی ہوئی ہوتی ہے تو وہ بندہ جو اللہ تعالی کے لیے صلہ رحمی کرتا ہے اور معاشرے میں بہترین تعلق رکھتا ہے اللہ تعالی کے ساتھ درخت کی ٹہنیوں اور درخت کے گھنے شاخوں کی طرح مضبوط ہوتا ہے اللہ تعالی اس کے ہر موڑ پر مدد کرتا ہے اللہ تعالی کے قرب اور معیت اس کو حاصل ہوتی ہے۔

رشتہ داروں سے صلہ رحمی کی اہمیت:

((سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَكِنْ لَهُمْ رَحِمٌ أَبُلُّهَا بِبَلَاهَا"، يَعْنِي أَصِلُهَا بِصِلَتِهَا. قَالَ أَبُو عَبْد اللَّهِ بِبَلَاهَا كَذَا وَقَعَ وَبِبَلَالِهَا أَجْوَدُ وَأَصَحُّ وَبِبَلَاهَا لَا أَعْرِفُ لَهُ وَجْهًا.))[1]

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، باب من وصل وصله الله 352/2، ح 8643

[2] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، باب من وصل وصله الله، 58/11

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا، "البتہ ان سے میرا رشتہ ناطہ ہے اگر وہ تر رکھیں گے تو میں بھی تر رکھوں گا یعنی وہ ناطہ جوڑیں گے تو میں بھی جوڑوں گا۔"

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے چاہئیں اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آنا چاہیے اور صلہ رحمی کرنی چاہیے، اس لیے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آل علی ابن ابی طالب میرے دوست نہیں لیکن ان کے ساتھ میری رشتہ داری ہے جسے میں اس کی تری سے تر کرتا رہتا ہوں یعنی ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا رہتا ہوں اور اچھے سے اچھا سلوک کرتا ہوں بعض نسخوں میں یہ عبارت ہے اور بعض نسخوں میں نہیں ہے بخاریؒ فرماتے ہیں کہ "ببلاھا[2]" واقع ہے لیکن "ببلالہا" زیادہ اور صحیح ہے اور "ببلاھا" کے بارے میں فرمایا کہ میں اس کے معنی اور اس کی وجہ نہیں جانتا۔

مفتی سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ، یہ خاندان والے میرے دوست تو نہیں، میرے کارساز صرف اللہ تعالی ہے اور نیک مومنین ہیں ہاں ان کے ساتھ ناتے کا تعلق رکھتا ہوں اور میں اس کو اس کی تری سے تر کرتا رہتا ہوں یعنی جو کچھ ان سے ممکن ہوتا ہے میں ان کے ساتھ کرتا رہتا ہوں۔[3]

درج بالا احادیث ہمیں صلہ رحمی کی اہمیت بتاتے ہیں اور ہمیں صلہ رحمی کا درس دیتے ہیں نبی کریم ﷺ کا ان لوگوں سے صلہ رحمی کرنا جو ان کے دوست نہیں ہیں اور ان کے خاندان میں سے بھی نہیں ہیں، اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ صلہ رحمی کی کتنی ضرورت ہے معاشرے میں ایک معاشرہ پرامن اور پرسکون تب بھی بنتا ہے جب اس میں سے رحمی کا عنصر حد درجہ بدرجہ اتم پایا جاتا ہو۔

صلہ رحمی کو ہر حالت میں برقرار رکھنا امر نبویؐ ہے:

((عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ، وَلَكِنِ الْوَاصِلُ

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ يَبُلُّ الرَّحِمَ بِبَلاَلِهَا، ح6016

[2] بلاً، وبلةً، وبَلاَلاً، کا مطلب ہے پانی وغیرہ سے تر کرنا، اور اس کا اسم البلال ہے، اس چیز کو کہتے ہیں جس سے حلق کو تر کیا جائے۔ ایک ہوتا ہے سیراب کرنا اور دوسرا ہوتا ہے تر کرنا پیاسے کو گھونٹ بھر پانی دیا جائے تو یہ بھی بہت بڑا احسان ہے آدمی ہونے کے ناطے دوسرے کی تمام ضروریات کی کفالت نہیں کر سکتا، کچھ تعاون تو کر سکتا ہے یعنی اس کا گلا تر کر سکتا ہے۔

[3] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ يَبُلُّ الرَّحِمَ بِبَلاَلِهَا، 58/11

الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا))[1]."

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً بیان کیا، فرمایا کہ کسی کام کا بدلہ دینا صلہ رحمی نہیں ہے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ نہ کیا جارہا ہو تب بھی وہ صلہ رحمی کرے۔"

ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مکافی کا مطلب یہ ہے کہ آپ دوسروں کو اتنا ہی دے جتنا کے دوسرے آپ کو دے اور برادری کا حق ادا کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ جو تجھ سے جوڑ کے رکھے تو بھی اس سے جوڑ کے رکھے بلکہ برادری کا حق ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تو ان سے بھی جوڑ کے رکھے جو تم سے توڑے۔ واصل اس کو کہتے ہیں کہ جو نہ احسان کرے اور اس پر نہ احسان کیا جائے۔ مکافی اس کو کہتے ہیں کہ جتنا اس پر احسان کیا جائے اتنا ہی احسان کرے۔ مقاطع وہ ہے کہ اس پر احسان کیا جائے لیکن وہ احسان نہ کرے۔ مکافات کے ساتھ جوڑنے کا مطلب ہے کہ کہ قطعیت دونوں جانب ہو جو ان میں سے پہلے احسان کرے وہی برادری کا حق ادا کرنے والا ہے۔ اگر اس کا بدلہ دیا جائے تو اس کو مکافی بولا جاتا ہے۔[2]

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

بدلہ دینے والا رحمی کرنے والا نہیں ہے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا شخص ہے کہ جب اس سے رشتہ داری کو قطع کیا جائے تو اس کو جوڑ کے رکھے اس کا مقصد یہ ہے کہ رشتہ داروں میں سے کسی نے حسن سلوک کیا اور اس کے بدلے میں بھی حسن سلوک کیا جائے تو یہ اپنی جگہ ہونی چاہیے لیکن اصل بات یہ ہے کہ آدمی رشتہ داروں کے ساتھ اس صورت میں بھی حسن سلوک کریں اور ان کے حقوق کی ادائیگی کی فکر کرے جب ان کی طرف سے قطع تعلقی پائی جاتی ہو۔[3]

قریبی رشتوں کی اہمیت ختم ہونے کی وجہ سے اور دل میں ایک دوسرے کا احساس ختم ہونے کی وجہ سے صلہ رحمی ختم ہوتی ہے۔ صلہ رحمی کرنے والا دراصل وہ شخص نہیں جو کہ احسان کے بدلے میں احسان کرے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جو کہ مخالف کے قطع رحمی کی صورت میں وہ اس سے صلہ رحمی کرے اور اس سے بہترین تعلقات رکھے اور اس سے جوڑ کے رکھے۔

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي، ص 6017

[2] عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب، باب لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي، 568/13

[3] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، باب لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي، 352/2، ح 5645

فصل دوم

رفاہ عامہ سے انحراف کی وجوہات اور حل

نبی کریم ﷺ نے رفاہ عامہ کے کاموں کا جامع تصور ہمارے سامنے رکھا اور ان کی رحمت سے نہ صرف انسان مستفید ہوتے تھے بلکہ تمام حیوانات نباتات و جمادات بھی مستفید ہوتے تھے۔ رفاہ عامہ کے کاموں کے لیے ایک منظم اور مربوط نظام ہونا چاہیے اور اس کے مقاصد واضح ہونے چاہییں۔ معاشرے میں ایک مربوط رفاہی سسٹم معاشرے کی خوشحالی اور معاشرے کے حسن میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ذیل میں معاشرے کے رفاہی کاموں کی اہمیت اور معاشرے کے لئے اس کی ضرورت احادیث کی روشنی میں ذکر کی جاتی ہے۔

یتیم کی پرورش کی اہمیت:

((سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا" وَقَالَ: بِإِصْبَعَيْهِ السَّبابةِ وَالْوُسْطَى))[1]

ترجمہ:

"سہل بن سعدؓ سے سنا، ان سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے اور آپ نے شہادت اور درمیانی انگلیوں کے اشارہ سے (قرب کو) بتایا۔"

سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

اہل تعلق کے بعد اب کمزور طبقوں اور حاجت مندوں یتیموں بیواؤں غریبوں اور مساکین کے حقوق کا بیان ہے سب سے پہلے اس میں یتیم کی کفالت کی اہمیت کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہاں پر ایک سوال ہو سکتا ہے کہ نبی اور غیر نبی درجہ اور رتبہ میں برابر نہیں ہو سکتے تو پھر حدیث کا کیا مطلب ہے شارحؒ فرماتے ہیں کہ نبی اور غیر نبی کے درجات الگ الگ ہوں گے لیکن نبی کریم ﷺ کی معیت اور ساتھ حاصل ہو گی جیسے کہ بادشاہ کا ساتھی بادشاہ کے ساتھ ہم مرتبہ تو نہیں ہوتا مگر اس کو بادشاہ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔[1]

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بابُ فَضْلِ مَنْ يَعُولُ يَتِيمًا، ص 6032

سلیم اللہ خان ؒ فرماتے ہیں:

اس باب میں یتیم کی پرورش اور کفالت کی فضیلت کا بیان ہے اور اس کی اہمیت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے انگلی کے اشارے سے اس کے نزدیکی بتائی ہے یعنی جتنا تھوڑا سا فاصلہ ان دو انگلیوں کے درمیان ہے اسی قدر فاصلہ میرے اور یتیم کی کفالت کرنے والے کے درمیان ہوگا۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشبیہ کی حکمت یہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جاہل اور دین سے بیگانہ قوم کی طرف مبعوث کیے گئے تھے آپ ﷺ ان کے پاس ان کے دینی امور کے لیے کفیل اور معلم بن کر تشریف لائے اور یتیم بھی دین و دنیا دونوں سے بیگانہ ہوتا ہے۔[2]

مادی ترقی، پیسے کا حصول، دنیاوی جاہ و جلال کے حصول کی دوڑ دھوپ کی وجہ سے اپنا مال رفاہی کاموں اور غرباء میں تقسیم نہیں کیا جاتا۔ نبی کریم ﷺ وسلم نے یتیم کی پرورش کرنے والے کی اتنی بڑی فضیلت بیان کرکے یہ بتایا ہے معاشرے کے یتیموں، بیواؤں اور بے سہاروں کو اپناو گے تو قیامت کے دن آپ کا درجہ اور اور اور معیت نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہو گی جو کہ فضیلت اور بزرگی کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔

یتیموں اور بیواوں کا خیال رکھنا قومی ذمہ داری:

((عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، يَرْفَعُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوْ كَالَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ.")) [3]

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کوشش کرنے والا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح ہے جو دن میں روزے رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے۔"

سعید احمد پالن پوری ؒ فرماتے ہیں:

اس عورت "ارملہ" کو کہا جاتا ہے جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو اگر وہ نکاح کے قابل ہے تو اس کو نکاح کر لینا چاہیے اور اگر اگر اگر وہ نکاح کے قابل نہیں یا زیادہ بوڑھی ہے اور اس کی اولاد کی پرورش کوئی نہیں کرتا بلکہ اپنے شوہر کی اولاد کو پالتی ہے تو اس صورت میں بیوہ اور اس کا بچہ بے سہارا ہو جاتے ہیں جو شخص اس کے کام کاج کرے گا اور اس پر خرچ

---

[1] پالن پوری ؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ فَضْلِ مَنْ يَعُولُ يَتِيمًا، ج 6005/11

[2] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ فَضْلِ مَنْ يَعُولُ يَتِيمًا، 374/2، ح 5659

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ السَّاعِي عَلَى الأَرْمَلَةِ، ص 6033

کرے گا خدا میں لڑنے والے کی طرح ہے اس شخص کی طرح ہے جو دن میں روزہ رکھتا ہو اور رات میں نفل پڑھتا ہو۔ مساکین کا کام انجام دینے والے کو مجاہد فی سبیل للہ کہا گیا ہے اور اس کے ساتھ لاحق قرار دیا گیا ہے یہ الحاق اس کی فضیلت ہے۔[1]

بیواؤں بچوں مساکین کی مدد نہ کرنے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ کون مستحق ہے اور کون نہیں اس کی تمیز ختم ہو گئی ہے، کیونکہ مانگنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ اسی طرح کمزور تعلق اور معاشرے کے حالات سے ناواقفیت بھی اس کی بڑی وجہ ہے۔ معاشرے، محلے اور سوسائٹی کے بیواوں اور بچوں کے لئے، اسی طرح یتیم اور بے سہاروں کے کام آنا، ایک معاشرے کے اندر رفاہی کام کہلاتے ہیں اور رفاہی کام معاشرے کو متحد رکھتا ہے جس سے معاشرے کے سارے لوگوں میں اتفاق و اتحاد رہتا ہے۔

نیک کام بہترین صدقہ:

((عَنْ جابرِ رَضْيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليه وسلَّم: كُلُّ مَعْروفٍ صَدَقَةٌ))[2]

ترجمہ:

''جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہمانے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر نیک کام صدقہ ہے۔''

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

ہر بھلائی اور معروف صدقہ ہے معروف کی تعریف یہ ہے کہ معروف کا اطلاق اللہ تعالی کی اطاعت اس کی نزدیکی اور لوگوں کے ساتھ اچھائی والے ہر عمل پر ہوتا ہے اسی طرح شرعاً جو چیزیں مستحب ہیں ان پر معروف کا اطلاق ہوتا ہے۔

امام راغبؒ معروف کی تعریف کرتے ہیں کہ ہر اس فعل کو کہتے ہیں جس کی اچھائی اور عمدگی شریعت اور عقل دونوں سے معلوم ہو۔

ابن بطال نے فرمایا کہ اس حدیث سے وہ لوگ بھی استدلال کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ترک کرنا اور کچھ بھی نہ کرنا ایک عمل ہے۔ متکلمین کا مسلک یہ ہے کہ ترک عمل کچھ بھی نہیں ہے عمل کے لیے کچھ کرنا ضروری ہے اور حدیث

---

[1] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ السَّاعِي عَلَى الأَرْمَلَةِ 67/11،
اگلی باب کی حدیث کچھ الفاظ کی زیادتی کے ساتھ وارد ہوئی ہے اور اس حدیث میں مسکین سے مراد عام غریب نہیں ہے بلکہ بیوہ کا یتیم بچہ ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث پر باب قائم کیا ہے۔

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ كلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ، ح 6051

کے ظاہر سے یہ استدلال کر کے بعض حضرات نے فرمایا کہ جو آدمی کچھ نہ کرے صرف گناہوں سے اپنے آپ کو بچا کے رکھے یہ بھی ایک اجر والا عمل ہے۔[1]

مفتی سعید پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

ہمسایوں کے حقوق کے بیان کے بعد ایک اور عام باب لائے ہیں کہ ہر نیک کام خیرات ہے صدقہ بمعنی ثواب ہے اور معروف منکر کی ضد ہے ہر وہ کام جس کی خوبی عقل اور شریعت سے ثابت ہو۔ مثلاً قریب کے پڑوسی کو دور کے پڑوسی ہدیہ بھیجے تو یہ بھی نیک کام اور باعث ثواب ہے۔

انسانیت کے لیے کوئی بھی اچھا کام کرنا اور معروف کام کرنا صدقہ ہے اور سب کا ثواب ملتا رہتا ہے اگر کوئی شخص سماج اور معاشرے کے لئے کوئی نفع بخش اور فائدہ مند کام کرتا ہے اور معاشرہ اس سے فائدہ اٹھاتا رہتا ہے تو اس شخص کی زندگی میں اور اس کے موت کے بعد یہ کام اس کو نفع اور ثواب پہنچاتا رہتا ہے۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رفاہی کاموں کو صدقہ قرار دے کر رفاہی اور اجتماعی کاموں کی ترغیب دی ہے۔

مومن اتفاق واتحاد سے مضبوط رہتا ہے:

((عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا"، ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ.))[3]

ترجمہ:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے اس طرح ہے جیسے عمارت کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تھامے رہتا ہے (گرنے نہیں دیتا) پھر آپ نے اپنی انگلیوں کو قینچی کی طرح کر لیا۔

مفتی سعید پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

خیر خواہ بھی خیر اندیشی تعاون کرنا اور ضرورتیں پوری کرنے میں اسلامی برادری مضبوط عمارت کی طرح ہے یہ عمارت مختلف اجزاء کا مجموعہ ہوتی ہے اور وہ باہم ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں تو مضبوط عمارت وجود میں آتی ہے ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا مومن مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے جس کا بعض حصہ بعض کو مضبوط کرتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہاتھ کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کیا۔[1]

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ کل مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ، ج2/390، ح5675

[2] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ کل مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ، ج11/75، ح6021

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ تَعَاوُنِ الْمُؤْمِنِينَ بَعْضِهِمْ بَعْضًا، ح6055

ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

جیسے عمارت میں مضبوطی ایک دوسرے سے ہوتی ہے اسی طرح ایماندار کو لازم ہیں جو دوسرے ایماندار کا مددگار رہے تاکہ معاشرہ اور مسلمانوں کی جماعت مضبوط رہے ابن بطال نے کہا کہ ایک دوسرے کی مدد کرنا آخرت کے کاموں میں سے ہے اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو آپس میں ڈالا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرنا کرنا مسلمانوں کی قوت کو مضبوط کرتا ہے اور مسلمانوں کی جماعت کو تقویت پہنچاتا ہے اور الگ الگ راستہ اختیار کرنا مسلمانوں کی جماعت کے لئے نقصان کا اور خطرے کا باعث ہے۔[2]

اسلام نے خود پسندی، صرف اپنے اور اپنے اہل عیال پر خرچ کرنے کرنے کی حوصلہ شکنی کی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کے لیے اپنے معاشرے اور ارد گرد کے سارے مسلمانوں کا اسی طرح خیال رکھنا چاہیے جیسے کہ وہ اپنا اور اپنے خاندان کا رکھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پڑوسی کے اتنے زیادہ حقوق بتائے ہیں قریب تھا کہ نبی کریم ﷺ نے پڑوسی کو بھی وراثت میں حصہ دے دیتے۔ ایک معاشرے کا حسن یہ ہے اور معاشرہ بہترین تب ہی بنتا ہے جب معاشرے کے سارے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے رہیں افراتفری نہ ہو ایک دوسرے کے حقوق کا خیال ہوں معاشرے میں رفاہی اور اجتماعی ضرورتوں کا خیال رکھا جاتا ہو۔

سائل کے مانگنے کے وقت نبی ﷺ کا عمل مبارک:

((عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَتَاهُ السَّائِلُ أَوْ صَاحِبُ الْحَاجَةِ قَالَ:" اشْفَعُوا فَلْتُؤْجَرُوا، وَلْيَقْضِ اللَّهُ عَلَى لِسَانِ رَسُولِهِ مَا شَاءَ[3]"))

ترجمہ:

"نبی کریم ﷺ کے پاس جب کوئی مانگنے والا یا ضرورت مند آتا تو آپ ﷺ فرماتے کہ لوگو! تم سفارش کرو تاکہ تمہیں بھی ثواب ملے اور اللہ اپنے نبی کی زبان پر جو چاہے گا فیصلہ کرائے گا۔"

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

سفارش کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ سفارش حسنہ اور ۲۔ سفارش سئیہ۔ شفاعت کی کئی صورتیں ہیں۔ جائز اور مباح امور میں کسی کے نفع اور فائدے کے لئے سفارش کرنا اور نیکی کے کاموں میں سفارش کرنا شفاعت حسنہ ہے اور کسی کو

---

[1] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ تَعَاوُنِ الْمُؤْمِنِينَ بَعْضِهِمْ بَعْضًا، 77/11، ح6062

[2] عسقلانی، فتح الباری، کتاب الادب، بَابُ تَعَاوُنِ الْمُؤْمِنِينَ بَعْضِهِمْ بَعْضًا، 573/13ح6062

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: {مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقِيتًا}:، ح6057

نقصان پہنچانے کے لیے سفارش کرنا یا شرعی امور کے خلاف سفارش کرنا شفاعت سئیہ ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ مسلمانوں کے لیے دعا کرنا شفاعت حسن ہے اوران کے لئے اور مسلمانوں کے لئے بد دعا کرنا شفاعت سیئہ کہلاتا ہے۔ ذکر کردہ حدیث میں بھی شفاعت حسنہ کی اہمیت اور اس کی تاکید بیان کی گئی ہے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شفاعت حسنہ کروگے تو ثواب کے مستحق قرار پاؤگے۔[1]

مفتی سعید پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

اگر کوئی اپنے تعلقات یا رسوخ سے کام لے کر کسی غریب کی مدد کرتا ہے تو اس کو بھی صدقہ کا ثواب ملے گا اور اگر کسی نے تعلقات یا رسوخ کو استعمال کرکے گناہ گار کی مدد کی یا غریب کے خلاف سفارش کی تو اس کو اس سفارش سیئہ کا گناہ ملے گا۔

کفل کے دو معنی ہیں اول معنی: حصہ اور مذکورہ آیت میں بھی یہی معنی مراد ہے اور یہ معنی ابوعبیدہؓ نے بیان کیا ہے۔ دوسری معنی: دوچند، دوگنا، سورۃ الحدید میں یہی معنی مراد ہے۔((يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ))[2] اور یہ معنی حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔

حدیث میں بھی یہی مراد ہے کہ اگر اچھی سفارش کروگے تو اجر اور ثواب کے مستحق قرار پاؤگے اور اگر بری اور ممنوع سفارش کروگے گے تو گناہ اور سزا کے مستحق قرار پائیں گے۔[3]

رفاہی اور حکومتی اداروں کی غریب اور مستحق کو حق دلوانے میں ناکامی کی وجہ اپنی پسندیدہ اور اقربا کو نوازنا اور ناانصافی ہے۔ سارے کے سارے رفاہی کام اور اجتماعی کاموں کا ثواب بہت زیادہ ہے اور احادیث میں اس پر تاکید کی گئی ہے اچھی سفارش اور ایک مستحق بندے کو اس کے حق دلوانے میں اس کی مدد کرنا اور ناجائز اور غیر مستحق بندے کو دوسرے کے حقوق سلب کرنا اور اس پر قبضہ جمانے سے روکنا اتنا بہترین عمل ہے اور ایک معاشرے میں امن اور سکون اور خوشحالی بھی آتی ہے کہ ہر مستحق بندے کو اس کا حق ملے اور غیر مستحق بندے کو ناجائز قبضہ اور دوسروں کے حقوق غصب کرنے سے روکا جائے۔

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالَی: { مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقِيتًا } :،،2/399، ح6581

[2] الحدید:28

[3] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالَی: { مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقِيتًا }، 11/79، ح6028

فصل سوم

غیر مسلموں کے ساتھ حسن معاشرت سے انحراف کی وجوہات اور حل

ریاست کے نظم وضبط اور شہریوں کے بنیادی حقوق کے متعلق اسلام غیر مسلم اقلیت اور مسلمانوں کے درمیان عدل وانصاف اور مساوات قائم کرنے کا حکم دیتا ہے۔اسلامی ریاست میں تمام غیر مسلم اور رعایا کو عقیدہ، مذہب، جان ومال اور عزت اور آبرو کی تحفظ کی ضمانت حاصل ہو گی۔ قانون اور اصول کی نظر میں سب کے ساتھ یکساں اور برابر معاملہ کیا جائے گا۔ بحیثیت انسان کسی کے ساتھ کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔اگر غیر مسلم مسلمانوں کے خلاف کسی سازشی سرگرمی میں مبتلا نہ ہوں تو ان کے ساتھ خیر خواہی، مروت، حسن سلوک اور رواداری کی ہدایت کی گئی ہے۔

اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اپنے نہ ماننے والوں کی جتنی رعایت کرتا ہے اور ان کو جو مراعات دیتا ہے دنیا کا کوئی بھی دین اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔اسلامی معاشرے میں غیر مسلموں کے بہت حقوق ہیں جیسے کہ۔۔۔

غیر مسلم کی بحیثیت انسان تکریم کرنا

انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہے اس حیثیت سے ان میں کوئی فرق نہیں ہے اور انسان کی تکریم کے بارے میں اسلام بار بار ہدایت دیتا ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کیا ہیں چونکہ غیر مسلم بھی انسان ہی ہوتا ہے اس وجہ سے اس کی تکریم کرنا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

"اور انسان کو ہم نے عزت دی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ رزق دے دیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔"[1]

جان مال اور عزت کا تحفظ

اسلامی معاشرے میں رہنے والے تمام شہری برابر حقوق رکھتے ہیں اس میں مسلمان اور غیر مسلم کا کوئی فرق نہیں، لہٰذا اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کو بغیر وجہ کے قتل کر دے یا اس کا مال ناجائز طریقے سے لے لے یا اس کی عزت پر حملہ کریں تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔اور اس کاموں کی سزا بھی دی جائے گی نبی کریم قرآن کریم اور سنت نبوی ﷺ میں کھلے الفاظ میں ان کے حقوق بیان ہوئے ہیں۔ جس کا ہر مسلے کو انفرادی اور اجتماعی طور پر عمل پیرا

---

[1] الاسرا:70

ہونے کا پابند بنا دیا گیا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

''اور اگر کسی اور اس کے کسی کو قتل نہ کرو جس کا قاتل اللہ نے حرام کیا ہوا جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہو لیکن اگر شریعت اسلامی اس کی اجازت دے تو پھر جائز ہے۔''[1]

جان کے قتل کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے جس نے کسی شخص کو بغیر قصاص کے یا زمین کے ناحق قتل کر دیا تو گویا اس نے معاشرے کے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ اس آیت میں نفس کا لفظ آیا ہے جو مسلمان اور کافر دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تو کسی انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے اس وجہ سے اسلامی معاشرے میں آباد غیر مسلموں کا قتل بھی اس حکم کے تحت آتا ہے۔

اسلامی معاشرے میں غیر مسلم کے حثیت ایک معاہد کی ہوتی ہے جس کی جان مال اور عزت کی حفاظت مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اس وجہ سے کسی معاہد کا قتل کسی بھی صورت میں قابل معافی جرم نہیں اور آخرت میں بھی نہیں ہوگی حدیث میں آتا ہے کہ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا خبردار جس نے کسی ایسے ذمی کو قتل کیا جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پناہ حاصل تھی تو اس نے اللہ تعالی کے عہد کو توڑ دیا لہٰذا وہ جنت کی خوشبو نہیں پا سکے گا حالانکہ اس کی خوشبو ستر سال کی مسافت سے آئے گی۔[2]

اسی طرح غیر مسلم شہری کا مال لینا بھی ناجائز ہے اسلامی معاشرے میں غیر مسلم شہری کی جان کی طرح استعمال کی حفاظت بھی مسلمانوں پر لازم اور ضروری ہے در المختار میں ہے غیر مسلم شہری کی چیز کو تلف کرنے کی صورت میں مسلمان بطور تاوان اس کی قیمت ادا کرے گا اور یہ اللہ تعالی کے حکم کے مقابلے میں بڑی جرت ہوگی کہ ان کے گھروں کو جلا دیا جائے کیونکہ حرام ہونے کے ساتھ ساتھ ایسے عمل سے اسلام کے نام لیواؤں کی بدنامی بھی ہوتی ہے۔ اسلام کسی بھی انسان کے مال کی چوری کو حرام قرار دیا اس پر نہایت سخت سزا مقرر کی ایک موقع پر نبی ﷺ نے فرمایا فرمایا کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس پر بھی حد جاری کی جاتی۔

غیر مسلم مذہبی رہنماؤں کے قتل سے اجتناب کرنا

مذہب کے بھیجے ہوئے ایلچی کو قتل کرنے سے سخت ممانعت آئی ہے اسی طرح ان کے مذہبی رہنماؤں کو قتل کرنا بھی حرام ہے۔ جیسا کہ مسند احمد میں روایت ہے:

(نبی ﷺ جب کسی لشکر کو روانہ فرماتے تھے تو ان کو یہ حکم دیا جاتا ہے نہ کرو دھوکا نہ دو دشمنوں کی بے حرمتی نہ

---

[1] الانعام: 151

[2] سنن ترمذی، کتاب الدیات، فیمن یقتل نفسا معاهدة، رقم 1403

کرواوران کے مذہبی رہنماؤں کو قتل نہ کرو۔)[1]

اس سے واضح ہو جاتاہے کہ عام حالات میں اس وقت خراب ہی ہے اس کے علاوہ دوران جنگ میں بھی کسی قوم کے پادریوں یاان کے مذہبی رہنماؤں کا قتل جائز نہیں ہے

یکساں مواقع فراہم کرنا

انسان کوزندگی گزارنے کے لئے بہت سارے شعبوں سے واسطہ پڑتاہے جس کے بغیراس کی زندگی مشکل ہو جاتی ہے جس میں اس کے کھانے پینے کے لئے تگ ودواور محنت بھی شامل ہیں اس تجارت کاپیشہ ہے زیادہ منافع بخش ہوتا ہے غیر مسلم کوایک اسلامی معاشرے میں ویسے ہی مواقع میسر ہونگے جیسے ایک مسلمان کے لیے ہونگے بلکہ ان کے ساتھ اشتراک کے طورپر بھی تجارت کرناجائزہے جیساکہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتاہے

نبی ﷺ نے خیبر کی زمین یہودیوں کے پاس ہی رہنے دیے تھے جو وہ ان میں کام کریں اور بوئیں اور جوتیں اور انہیں اس کے پیداوار کاآدھاحصہ ملے گا۔

مذہبی آزادی اسلام کسی بھی انسان کوجبراً مسلمان بنانے کاحامی نہیں ہے جیساکہ ارشادہے لا اکراہ فی الدین ہے اس وجہ سے جہاں بھی غیر مسلم رہتاہو تواس کایہ حق ہے کہ وہ پوری آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل کرے اور خلفائے راشدین کے زمانے میں غیر مسلم جب تک معاشرے میں رہتے تھے اپنے عقیدے کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے۔

ایک اسلامی ملک میں حسن معاشرت کاتعلق صرف مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ معاشرے کے غیر مسلم اور اقلیت بھی بعینہ اسی سلوک اور حسن معاشرت کے مستحق ہیں جس طرح دوسرے مسلمان مستحق ہیں۔

((عَبْدَ اللَّهِ، يَقُولُ: رَأَى عُمَرُ عَلَى رَجُلٍ حُلَّةً مِنْ إِسْتَبْرَقٍ فَأَتَى بِهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ اشْتَرِ هَذِهِ فَالْبَسْهَا لِوَفْدِ النَّاسِ إِذَا قَدِمُوا عَلَيْكَ، فَقَالَ:" إِنَّمَا يَلْبَسُ الْحَرِيرَ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ" فَمَضَى مِنْ ذَلِكَ مَا مَضَى، ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلَيْهِ بِحُلَّةٍ فَأَتَى بِهَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: بَعَثْتَ إِلَيَّ بِهَذِهِ وَقَدْ قُلْتَ فِي مِثْلِهَا مَا قُلْتَ، قَالَ:" إِنَّمَا

[1] مسند احمد، جلد،1ص300ح2728

بَعَثْتُ إِلَيْكَ لِتُصِيبَ بِهَا مَالًا" فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَكْرَهُ الْعَلَمَ فِي الثَّوْبِ لِهَذَا الْحَدِيثِ))[1]

ترجمہ:

"عمرؓ نے ایک شخص کو استبرق کا جوڑا پہنے ہوئے دیکھا تو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اسے لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اسے آپ خرید لیں اور وفد جب آپ سے ملاقات کے لیے آئیں تو ان کی ملاقات کے وقت اسے پہن لیا کریں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ریشم تو وہی پہن سکتا ہے جس کا)آخرت میں (کوئی حصہ نہ ہو خیر اس بات پر ایک مدت گزر گئی پھر ایسا ہوا کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے خود انہیں ایک جوڑا بھیجا تو وہ اسے لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ نے یہ جوڑا میرے لیے بھیجا ہے، حالانکہ اس کے بارے میں آپ اس سے پہلے ایسا ارشاد فرما چکے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ میں نے تمہارے پاس اس لیے بھیجا ہے تاکہ تم اس کے ذریعہ)بیچ کر (مال حاصل کرو۔ چنانچہ ابن عمرؓ اسی حدیث کی وجہ سے کپڑے میں)ریشم کے (بیل بوٹوں کو بھی مکروہ جانتے تھے۔"

امام بدر الدین العینیؒ فرماتے ہیں:

یہ باب ہے دوسرے ممالک کے وفود سے ملاقات کے لئے اپنے آپ کو خوش لباس بنانے کے بارے میں لیکن فرمایا کہ ﷺ نے تو ایسا نہیں کیا اور حدیث سے بھی ظاہر ہے، تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ کیا حدیث کا مطلب اور مفہوم اس بات پر دلیل ہے کہ اپنے آپ کو دوسرے لوگوں کے لئے خوش لباس بنایا جاسکتا ہے۔ تاہم شارح فرماتے ہیں کی یہ معنی بعید ہے اور اس کا ترجمہ اور مفہوم یہ کلام عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح بن سکتا ہے کہ نبی ﷺ کی عادت تھی کہ وہ وفود کے لئے وہ حسن و جمال اختیار کرتے تھے کیونکہ اس کا مقصد مخالف کے دلوں میں اسلام کی عزت اور عظمت پیدا کرنا تھا۔[2]

سلیم اللہ خانؒ فرماتے ہیں:

حدیث مبارکہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ باہر سے آنے والے وفود سے ملنے کے لیے اگر معمول سے ہٹ کر زینت اور حسن و جمال اختیار کیا جائے تو یہ جائز اور بہتر ہے۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ علیہ فیض الباری میں لکھتے ہیں کہ زینت اور جمال میں فرق ہے زینت کرنا اچھی عادت نہیں لیکن جمال ایک اچھی عادت ہے، زینت کہتے ہیں اپنے آپ کو بہ تکلف خوبصورت اور حسین بنانا تاکہ لوگوں میں خوبصورت نظر آئے اور جمال کی معنی یہ ہے کہ

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ مَنْ تَجَمَّلَ لِلْوُفُودِ ح 6108

[2] عینی، عمدۃ القاری، کتاب الادب، بابُ من تجمل للوفود، 229/22، ح 6031

آدمی بے ڈھنگے پن کو ختم کرے اور وہ بے ڈھنگا ہو کر لوگوں میں نہ نکلے ایسا نہ ہو کہ اس کا مسخرہ بن جائے اور اس کا مذاق اڑایا جائے۔ تو اس کو جمال کہتے ہیں یہ اس کے تعریف کی گئی ہے اور یہ مقصود بھی ہے۔[1]

حدیث ہمیں دو باتوں کا درس دے رہا ہے ایک یہ کہ معززین اور بڑے لوگوں سے ملاقات کے لیے یا ان کی مجلس میں شمولیت کے لیے خوش لباس اور صاف ستھرا ہو کر جانا چاہیے۔

غیر مسلموں اور دوسرے کے وفود کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم دیا گیا ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا رویہ دوسرے وفود کے ساتھ انتہائی خوش کن تھا۔ ان لیے بہترین رہائش کا انتظام کرتے تھے۔ اور ان سے ملاقات کے وقت خوش لباس اور صاف ستھرا ہو کر جایا کرتے تھے۔

اسماء بنت ابی بکرؓ غیر مسلم والدین کی خدمت واطاعت گزاری کے متعلق فرماتی ہیں:

((قَالَتْ:" أَتَتْنِي أُمِّي رَاغِبَةً فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: آصِلُهَا؟ قَالَ: نَعَمْ"، ---))[2]

ترجمہ:

"میری والدہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں میرے پاس آئیں، وہ اسلام سے منکر تھیں۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کیا میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔"

مولانا سلیم اللہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں:

حدیث شریف میں والدین جو کہ مشرک یا غیر مسلم ہو ان کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا گیا نبی اکرم ﷺ نے ایک صحابیہ کو اپنے مشرک والدین کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ والدین اگر مسلم نا بھی ہو تو شریعت کی رو سے والدین کے نافرمانی اور بد سلوکی کی قطعاً اجازت نہیں۔

آتتنی راغبة فی عہد النبی میں دو روایتیں ہیں:

۱۔"راغبۃ" باء کے ساتھ ای راغبة فی الاسلام یعنی میری والدہ اسلام میں دلچسپی لیتی ہوئی۔

۲۔"راغمۃ" میم کے ساتھ ہے ای کارھة للاسلام یعنی اسلام کو ناپسند کر رہی تھی۔[3]

---

[1] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بابُ من تجمل للوفود، 484/2، ح5731

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، بَابُ صِلَةِ الْمَرْأَةِ أُمَّهَا وَلَهَا زَوْجٌ، ح6005

[3] سلیم اللہ خان، کشف الباری، کتاب الایمان، بَابُ صِلَةِ الْمَرْأَةِ أُمَّهَا وَلَهَا زَوْجٌ، 243/2، ح5634

حضرت سعید احمد پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی اس قدر تاکید کی گی کہ اگرچہ والدین مشرک ہو تب بھی دنیاوی کاموں میں ان کی اطاعت ضروری ہے جیسے کے اسماء بنت بکرؓ کو اپنی والدہ کے ساتھ باوجود غیر مسلم ہونے کے حسن سلوک کا حکم دیا گیا اللہ تعالی نے بھی جب تک والدین شرک کی دعوت نہ دے بھی اپنے والدین کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے چاہے وہ دین میں مخالف ہی کیوں نہ ہو۔[1]

غیر مسلم والدین کے حقوق کے خیال میں کمی کی ایک بڑی وجہ ان کا غیر دین ہونا اور غیر مسلم ہونا ہے۔ لیکن اس عذر کی بھی نفی کر دی گئی۔ اس سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ والدین کے ساتھ بد اخلاقی اور بد سلوکی کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں ہے۔ اگرچہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں۔

[1] پالن پوریؒ، تحفۃ القاری، کتاب الادب، بَابُ صِلَةِ الْمَرْأَةِ أُمَّهَا وَلَهَا زَوْجٌ، 53/11، ح5979

خلاصہ (summary)

پہلے باب میں معاشرے کے معنی اور مفہوم کے بعد مسلم اور غیر مسلم مفکرین کی نظر میں معاشرہ کی تعریف اور اس کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد حسن معاشرت کے دائرہ کار کا جائزہ لیا گیا ہے کہ اس کا دائرہ کار معاشرے میں موجود تمام افراد اور تمام جہتوں تک کس طرح پھیلا ہوا ہے۔ مختلف جہات جیسے سماجی اور معاشرتی دائرہ کار، انتظامی معاملات میں حسن معاشرت کا دائرہ کار اور بین الاقوامی سطح پر حسن معاشرت کا دائرہ کار جیسی اہم موضوعات کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ باب کے آخر میں میں حسن معاشرت کے چند مثبت اثرات اور خوبیوں کا ذکر کیا ہے کہ جب معاشرے کے افراد ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں اور بہترین معاشرت اپنانے کی کوشش کرے تے تو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت، قیام امن، احساس ذمہ داری، جذبہ خدمت جیسے بہترین صفات کا حامل معاشرہ بن جاتا ہے۔

دوسرے باب کی ابتداء میں بچوں اور ان لوگوں کے ساتھ جو ہمارے ماتحت ہیں، حسن معاشرت اور بہترین رویے کے بارے میں ذکر ہے۔ بچوں کے ساتھ شفقت و نرمی اور بہترین رویہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ کی کئی احادیث ہیں۔ اس باب میں ان احادیث کو جمع کیا گیا ہے جو صحیحین کے کتاب الادب میں بچوں سے شفقت اور محبت کے متعلق ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے متعلق احادیث ہیں، جو کہ ہمارے ماتحت ہیں اور محنت مزدوری کر کے روزمرہ کی کمائی کرتے ہیں۔ حدیث کی روشنی میں یہ بات ذکر ہے کہ جب اللہ تعالی نے ان کو ہمارا ماتحت بنادیا ہے تو ہمیں ان کے ساتھ کیسا سلوک اور برتاؤ کرنا چاہیے۔ اسی طرح والدین حسن معاشرت اور حسن اخلاق کے سب سے زیادہ لائق ہیں احادیث کی روشنی میں اس بات کو ذکر کیا گیا ہے کہ کہاں کہاں پر والدین کے ساتھ محبت اور ان کے ادب میں کوتاہی برتی جارہی ہے اور شروحات کی روشنی میں اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ اس سے بچنے کی کتنی تاکید ہے۔

تیسرے باب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے ہے کہ حسن معاشرت اور اللہ تعالی کے اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ تعلق آپس میں لازم اور ملزوم ہیں۔ احادیث کی روشنی میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ ایک انسان ایک معاشرے میں بہترین کردار ادا ہی نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کا اللہ اور رسول ﷺ سے مضبوط تعلق نہ ہو۔ اسی طرح نہ اس بات کا ذکر ہے کہ حسن معاشرت کی وجہ سے انسان کون کون سے اوصاف حمیدہ کا حامل ہو جاتا ہے۔

حسن معاشرت سے نرمی، سخاوت، شجاعت، پردہ پوشی، تکلیف پر صبر، دینی امور کا خیال، حقوق العباد کا خیال، مہمان نوازی بڑوں کی عزت و تکریم، بیمار پرسی جیسی بہترین صفات پیدا ہوتی ہیں اور اخلاق رذیلہ جیسے قطع رحمی، حقیر جاننا، فسق و فجور، غصہ، حسد، بدگمانی، ترک تعلق، جھوٹ، تہمت جیسے اخلاقی رذائل سے انسان بچ جاتا ہے۔

آخری باب کی ابتدائی احادیث میں صلہ رحمی کی اہمیت اور اس کی افادیت کا ذکر ہے، چونکہ صلہ رحمی حسن معاشرت کا بنیادی اور اہم رکن ہے اس کے بغیر ایک معاشرے میں حسن معاشرت کی تکمیل ناممکن ہے۔اور اس کی وجہ سے ایک معاشرہ متوازن حیثیت میں رہتا ہے۔احادیث کی روشنی میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے رشتہ داروں اور عزیز و اقارب کا کتنا خیال رکھا اسی طرح ان کے خیال رکھنے اور ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا حکم بھی دیا۔

نبی کریم ﷺ سے منقول احادیث میں چونکہ رفاہ عامہ کا ذکر ہے اور اس کی اہمیت و افادیت ہے اور اس کا حسن معاشرے سے براہ راست تعلق ہے تو اس لیے اس باب میں رفاہ عامہ کے متعلق ایک الگ فصل بنایا گیا ہے۔

حدیث اور شریعت کی روشنی میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ یتیم اور بے سہارا لوگوں کے لئے رفاہ عامہ کے مراکز گھر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

نتائج مقالہ(Conclusion)

حسن معاشرت سے انحراف کے پہلو

- والدین اور بزرگوں کا احترام، ان کا خیال اور ان کی صحبت ایک اسلامی معاشرے کی خصوصیات اور شعار، جبکہ ان کی بے قدری، بے ادبی اور ان سے دوری بہت سی معاشرتی برائیوں کو جنم دیتی ہے۔
- ماتحتوں کے ساتھ ظالمانہ رویہ اور غیر منصفانہ سلوک ہماری تنزلی کا سبب اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔
- قطع رحمی، وعدہ خلافی اور جھوٹ جیسے رذائل ایک معاشرے کا بگاڑ ہیں۔

حسن معاشرت سے انحراف کے وجوہات

- والدین کا بچوں کی تربیت کیلئے وقت نہ دینا
- مادیت پرستی کا معاشرے میں عمومی غلبہ معاشرے کی روح کو متاثر کر رہی ہے۔
- دینی تعلیمات سے لاعلمی حسن معاشرت سے انحراف کی بڑی وجہ ہے۔
- فکر معاش نے انسان کو اپنے عزیز و اقارب اور پڑوسیوں سے کوسوں دور کر دیا ہے۔

تدارک کی صورتیں

- کسی بھی معاشرے میں حسن معاشرت کے دیرپا قیام کے لئے لوگوں کے اندر دوسروں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ اور عدل کا قیام بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔
- معاشرے میں اچھے کردار اور بہترین خصوصیات کا حامل فرد بننے کے لئے نبی کریم ﷺ کی سیرت کا اتباع اور خشیت الٰہی کا اپنانا لازمی ہے۔
- بیت المال کے ادارے کو صحیح معنوں میں کارآمد بنانے سے معاشرے میں رفاہی کاموں کو آسان بنایا جاسکتا ہے۔
- مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگوں کے ساتھ تعلق ان کے حقوق کا خیال اور ان کے ساتھ ہم آہنگی استوار رکھنا حسن معاشرت ہے۔

سفارشات (Recommendations and Suggestions)

محققین کیلئے

- صحیحین کی شروحات کی روشنی میں حسن معاشرت سے انحراف کے موضوع تحقیق کی ضرورت ہے۔
- کتب الستہ کے کتاب الآداب کی روشنی میں حسن معاشرت سے انحراف تحقیق طلب ہے۔
- حسن معاشرت کی ترویج کیلئے مختلف جدید ذرائع بروئے کار لانے کے حوالے سے کام کیا جاسکتا ہے۔

حکومتی اداروں کیلئے

- معاشرتی مسائل کے کماحقہ حل کے لئے منتظمین اور عوام کے درمیان رابطہ کے اہتمام لازمی ہے۔
- ملکی رفاہی اداروں کا انتظام اور بندوبست حکومتی سطح پر ہونا چاہیے تاکہ اس کا فائدہ نچلی سطح کی غریب عوام تک بآسانی پہنچ سکے۔

والدین کیلئے

- معاشرت کو بہتر بنانے اور بچوں کی تربیت کے لیے ماؤں کی آگاہی کا اہتمام کیا جانا چاہئے۔
- بچوں کی تربیت اور عصر حاضر کی معاشرتی خرابیوں کا سد باب کے لئے والدین کو سیرت النبی ﷺ سے مختلف واقعات اور قصص کو بیان کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

اساتذہ کیلئے

- اخلاقی اقدار کی ترویج اور تربیت کی عملی صورتیں بچوں کے تعلیمی و تربیتی نصاب میں شامل کیا جانا چاہئے۔
- بڑوں کے احترام سے متعلق مشرقی اقدار اور سیرت النبی ﷺ کو مختلف ذرائع (مساجد، سکول، ڈرامے) سے پیش کیے جانے کا اہتمام کیا جانا چاہئے۔

عوام کیلئے

- لوگوں میں اس بات کا شعور اور آگاہی پیدا کرنا چاہیے کہ مختلف عقیدے اور مذاہب کے لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت اور ان کے حقوق کا خیال ہمارا فرض اور ہماری مذہب کی تعلیم ہے۔

- لوگوں میں اس بات کا شعور اور آگاہی پیدا کرنا چاہیئے کہ مختلف عقیدے اور مذاہب کے لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت اور ان کے حقوق کا خیال ہمارا فرض اور ہماری مذہب کی تعلیم ہے۔
- مسلم اور غیر مسلم ممالک کے سربراہان کے ساتھ تعلقات کی بنیاد نبی کریم ﷺ اور صحابہؓ کی تعلیمات ہونی چاہئیں۔

فہرست آیات

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.1	''وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ	البقرہ	188	17
.2	كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ	البقرہ	180	4
.3	يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ	البقرہ	21	30
.4	يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَ	النساء	1	2
.5	وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ	النساء	36	13
.6	اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا	النساء	58	16
.7	إِ نَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ	آل عمران	19	31
.8	كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	آل عمران	11	34
.9	وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ	الرعد	21	13
10	''وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ	الاسراء	33	31
11	وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا	الاسرا	171	13
12	وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا	الاسرا	70	36

13	15	لقمان	وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا	13
40	96	مريم	اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا	14
2	13	الحجرات	يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا	15
147	28	الحديد	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ	16
23	8	الممتحنة	لا ينهكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين، ولم يخرجوكم من دياركم. أن تبروهم وتقسطوا اليهم	17
34	8	الانسان	وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرً	18
28	56	الذاريات	وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ	19

فہرست احادیث

نمبر شمار	حدیث	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
1.	إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الْخَلْقَ حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِهِ قَالَتْ: الرَّحِمُ	صحیح البخاری	137
2.	إِنَّا قَافِلُونَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ"،	صحیح البخاری	62
3.	السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ	صحیح البخاری	143
4.	:مَن يُحرَم الرفق يُحرَم الخير كله	صحیح مسلم	21
5.	أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: هَلَكْتُ وَقَعْتُ عَلَى أَهْلِي فِي رَمَضَانَ	صحیح البخاری	62
6.	أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ	صحیح البخاری	68
7.	أَخْبِرُونِي بِشَجَرَةٍ مَثَلُهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ تُؤْتِي أُكُلَهَا	صحیح البخاری	79
8.	اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَضِبَ أَحَدُهُمَا فَاشْتَدَّ غَضَبُهُ	صحیح البخاری	88
9.	أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ، كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَاعِفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَأَبَرَّهُ، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ، كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ	صحیح البخاری	95
10.	ألا كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته فالإمام الذي على الناس راع	صحیح البخاری	17
11.	أَنَّ أَعْرَابِيًّا بَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَامُوا إِلَيْهِ،	صحیح البخاری	49
12.	ان اللہ رفيق يحب الرفق	صحیح مسلم	19
13.	أن جماعة من رعيته اشتكو من عماله فأمرهم أن يوافوه	البیہقی	21
14.	أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوْصِنِي، قَالَ:" لَا تَغْضَبْ"	صحیح البخاری	105
15.	أن يهوديا دعا النبي صلى الله عليه وآله وسلم إلى خبز شعير وإهالة سنخة فأجابه	مسند امام احمد	27
16.	أَنَّ يَهُودِيَّةً أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ مَسْمُومَةٍ	صحیح البخاری	29

17.	أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: لَمْ أَعْقِلْ أَبَوَيَّ إِلَّا وَهُمَا يَدِينَانِ الدِّينَ،	صحیح البخاری	56
18.	أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا	صحیح البخاری	140
19.	أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ، فَقَالَ:" ائْذَنُوا لَهُ، فَبِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ	صحیح البخاری	72
. .20	إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا	صحیح البخاری	94
21.	بَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي رَأَى فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ نُخَامَةً	صحیح البخاری	66
22.	تَعْبُدُ اللَّهَ لَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِي	صحیح البخاری	132
23.	تهادوا فإن الهدية تذهب وحر الصدر، ولا تحقرن جارة لجارتها، ولو شق فرسن شاة	صحیح البخاری	24
24.	الْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ	صحیح البخاری	67
25.	خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِﷺ لِيُخْبِرَ النَّاسَ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ،	صحیح البخاری	87
26.	دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ وَفِي الْبَيْتِ قِرَامٌ فِيهِ صُوَرٌ فَتَلَوَّنَ وَجْهُهُ	صحیح البخاری	65
27.	راى عمرحلة على رجل تباع، فقال للنبيﷺ ابتع هذه	صحیح البخاری	25
28.	الرَّحِمُ شِجْنَةٌ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَهَا قَطَعْتُهُ	صحیح البخاری	136
29.	سِباب الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ	صحیح البخاری	
30.	عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَشَمَّتَ أَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الْآخَرَ فَقِيلَ لَهُ، فَقَالَ:" هَذَا حَمِدَ	صحیح البخاری	79
31.	عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ:"كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	صحیح البخاری	71
32.	فَإِذَا تَثَاوَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا تَثَاءَبَ ضَحِكَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ	صحیح البخاری	73
33.	فَأَذِنَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ، وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُ، فَقَالَ: أَضْحَكَ اللَّهُ سِنَّكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ	صحیح البخاری	58

	بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي		
.34	فَطَفِقَ خَالِدٌ يُنَادِي أَبَا بَكْرٍ، يَا أَبَا بَكْرٍ أَلَا تَزْجُرُ هَذِهِ عَمَّا تَجْهَرُ بِهِ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟	صحیح البخاری	56
.35	قَالَ عَبْدُ اللَّهِ قَسَم النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِسْمَةً كَبَعْضِ مَا كَانَ يَقْسِمُ،	صحیح البخاری	63
.36	كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَجْوَدَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ النَّاسِ	صحیح البخاری	55
.37	كان رسول الله يقبل الهدية ويثيب عليها	صحیح البخاری	26
.38	كَانَ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ	صحیح البخاری	43
.39	كُلُّ أُمَّتِي مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ، وَإِنَّ مِنَ الْمُجَاهَرَةِ أَنْ يَعْمَلَ الرَّجُلُ بِاللَّيْلِ عَمَلًا	صحیح البخاری	56
.40	كُنْتُ أَمْشِي مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيظُ الْحَاشِيَةِ،	صحیح البخاری	64
.41	لَا يَجِدُ أَحَدٌ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ حَتَّى يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ	صحیح البخاری	38
.42	لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ	صحیح البخاری	82
.43	لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا لَعَّانًا وَلَا سَبابا، كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ:	صحیح البخاری	85
.44	لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا لَعَّانًا وَلَا سَبابا، كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ:"	صحیح البخاری	85
.45	لَمَّا قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" مَرْحَبًا بِالْوَفْدِ الَّذِينَ جَاءُوا غَيْرَ خَزَايَا	صحیح البخاری	78
.46	لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ، وَلَكِنِ الْوَاصِلُ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَ	صحیح البخاری	138
.47	مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا	صحیح البخاری	70
.48	مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعًا قَطُّ ضَاحِكًا	صحیح البخاری	62

29	مسلم	مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ،	.49
68	صحیح البخاری	مَرّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَجُلٍ وَهُوَ يُعَاتِبُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ	.50
88	صحیح البخاری	مرَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺعَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ:" إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ	.51
42	مسلم	الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ	.52
144	صحیح البخاری	الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا"، ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِ	.53
83	صحیح البخاری	نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَضْحَكَ الرَّجُلُ مِمَّا يَخْرُجُ مِنَ الْأَنْفُسِ	.54
137	صحیح البخاری	وَلَكِنْ لَهُمْ رَحِمٌ أَبُلُّهَا بِبَلَاهَا"، يَعْنِي أَصِلُهَا بِصِلَتِهَا.	.55
55	صحیح البخاری	يَدْنُو أَحَدُكُمْ مِنْ رَبِّهِ حَتَّى يَضَعَ كَنَفَهُ عَلَيْهِ، فَيَقُولُ:" عَمِلْتَ كَذَا وَكَذَا"،	.56
69	صحیح البخاری	يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا	.57
75	صحیح البخاری	إِنْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺلَيُخَالِطُنَا حَتَّى يَقُولَ لِأَخٍ لِي صَغِيرٍ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ	.58
75	صحیح البخاری	كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ لِي صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِي،	.59
76	صحیح البخاری	أَنَّهُ اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ، فَقَالَ:" ائْذَنُوا لَهُ، فَبِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ	.60
77	صحیح البخاری	فَزَارَ سَلْمَانُ أَبَا الدَّرْدَاءِ فَرَأَى أُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً، فَقَالَ لَهَا: مَا شَأْنُكِ؟	.61
79	صحیح البخاری	أَخْبِرُونِي بِشَجَرَةٍ مَثَلُهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَلَا تَحُتُّ وَرَقَهَا، ---	.62
79	صحیح البخاری	لَمَّا قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" مَرْحَبًا بِالْوَفْدِ الَّذِينَ جَاءُوا غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى	.63
81	صحیح البخاری	عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَشَمَّتَ	.64

		أَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الآخَرَ	
82	صحیح البخاری	أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ: أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيضِ	.65
83	صحیح البخاری	فَإِذَا تَثَاوَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ--	.66
84	صحیح البخاری	لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ------	.67
85	صحیح البخاری	نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَضْحَكَ الرَّجُلُ مِمَّا يَخْرُجُ مِنَ الْأَنْفُسِ-----	.68
86	صحیح البخاری	سِباب الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ	.69
87	صحیح البخاری	لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا لَعَّانًا وَلَا سَبابا، كَانَ يَقُولُ عِنْدَ الْمَعْتَبَةِ:" مَا لَهُ تَرِبَ جَبِينُهُ	.70
88	صحیح البخاری	اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَضِبَ أَحَدُهُمَا فَاشْتَدَّ غَضَبُهُ-------	.71
90	صحیح البخاری	مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺعَلَى قَبْرَيْنِ فَقَالَ:" إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا هَذَا	.72
90	صحیح البخاری	إِنَّ رَجُلًا يَرْفَعُ الْحَدِيثَ إِلَى عُثْمَانَ، فَقَالَ لَهُ حُذَيْفَةُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:" لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّات	.73
92	صحیح البخاری	مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ وَالْجَهْلَ، فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ	.74
94	صحیح البخاری	تَجِدُ مِنْ شَرِّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللَّهِ ذَا الْوَجْهَيْنِ، الَّذِي يَأْتِي هَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ	.75
94	صحیح البخاری	سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُثْنِي عَلَى رَجُلٍ وَيُطْرِيهِ فِي الْمِدْحَةِ، فَقَالَ:" أَهْلَكْتُمْ أَوْ قَطَعْتُمْ ظَهَرَ الرَّجُلِا	.76
96	صحیح البخاری	إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ، وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا	.77
98	صحیح البخاری	إِنْ كَانَتِ الْأَمَةُ مِنْ إِمَاءِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَتَأْخُذُ بِيَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَنْطَلِقُ بِهِ حَيْثُ شَاءَتْ	.78
99	صحیح البخاری	لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا	.79

100	صحیح البخاری	إِنِّي لَأَعْرِفُ غَضَبَكِ وَرِضَاكِ" قَالَتْ: قُلْتُ: وَكَيْفَ تَعْرِفُ ذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ	.80
102	صحیح البخاری	آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ	.81
104	صحیح البخاری	أَيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا	.82
105	صحیح البخاری	مَنْ رَمَى مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ	.83
107	صحیح البخاری	أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوْصِنِي، قَالَ:" لَا تَغْضَبْ	**84**.
108	صحیح البخاری	قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:" إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولَى إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ	.85
110	صحیح البخاری	أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَبِي وَعَلَيَّ قَمِيصٌ أَصْفَرُ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ : سَنَهْ سَنَهْ، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: وَهِيَ بِالْحَبَشِيَّةِ حَسَنَةٌ	.86
111	صحیح البخاری	كُنْتُ شَاهِدًا لِابْنِ عُمَرَ، وَسَأَلَهُ رَجُلٌ عَنْ دَمِ الْبَعُوضِ، فَقَالَ: مِمَّنْ أَنْتَ فَقَالَ: مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ، قَالَ: انْظُرُوا إِلَى هَذَا يَسْأَلُنِي عَنْ دم البعوض	.87
113	صحیح البخاری	جَاءَتْنِي امْرَأَةٌ مَعَهَا ابْنَتَانِ تَسْأَلُنِي فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي غَيْرَ تَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ،	.88
114	صحیح البخاری	قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْيٌ، فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ قَدْ تَحْلُبُ ثَدْيَهَا تَسْقِي،	.89
116	صحیح البخاری	سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:" جَعَلَ اللَّهُ الرَّحْمَةَ مِائَةَ جُزْءٍ،	.90
117	صحیح البخاری	قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ؟ قَالَ:" أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ"	.91
118	صحیح البخاری	نّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" وَضَعَ صَبِيًّا فِي حَجْرِهِ	.92
120	صحیح البخاری	جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺفَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَنْ أَحَقُّ	.93

		النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ:" أُمُّكَ" قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ قَالَ:" ثُمَّ أُمُّكَ" قَالَ:	
121	صحیح البخاری	نعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُجَاهِدُ قَالَ:"	.94
122	صحیح البخاری	إِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ" قِيلَ، يَا رَسُولَ اللَّهِ	.95
123	صحیح البخاری	بَيْنَمَا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ يَتَمَاشَوْنَ أَخَذَهُمُ الْمَطَرُ فَمَالُوا إِلَى غَارٍ فِي الْجَبَلِ	.96
125	صحیح البخاری	أَتَتْنِي أُمِّي رَاغِبَةً فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: آصِلُهَا؟ قَالَ	.97
127	صحیح البخاری	مَا زَالَ يُوصِينِي جِبْرِيلُ بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ	.98
127	صحیح البخاری	أَنّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللَّهِ لَا يُؤْمِنُ	.99
128	صحیح البخاری	كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:" يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا	.100
129	صحیح البخاری	مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ	.101
131	صحیح البخاری	إِنَّ لِي جَارَيْنِ فَإِلَى أَيِّهِمَا أُهْدِي؟ قَالَ: إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بابا	.102
134	صحیح البخاری	يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ، فَقَالَ الْقَوْمُ: مَا لَهُ مَا لَهُ،	.103
136	صحیح البخاری	من سره ان يبسط له في رزقه وان ينسا له في اثره فليصل رحمه	.104
137	صحیح البخاری	عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الْخَلْقَ حَتَّى إِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِهِ	.105
139	صحیح البخاری	سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَكِنْ لَهُمْ رَحِمٌ أَبُلُّهَا بِبَلَاهَا	.106

107.	أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هَكَذَا" وَقَالَ: بِإِصْبَعَيْهِ السَّبابةِ وَالْوُسْطَى	صحیح البخاری	142
108.	السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ --	صحیح البخاری	143
109.	كل معروف صدقة	صحیح البخاری	145
110.	الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا	صحیح البخاری	146
111.	أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَتَاهُ السَّائِلُ أَوْ صَاحِبُ الْحَاجَةِ قَالَ:" اشْفَعُوا فَلْتُؤْجَرُوا، وَلْيَقْضِ	صحیح البخاری	147
112.	أَنَّهُ كَانَ إِذَا أَتَاهُ السَّائِلُ أَوْ صَاحِبُ الْحَاجَةِ قَالَ:" اشْفَعُوا فَلْتُؤْجَرُوا، وَلْيَقْضِ اللَّهُ عَلَى لِسَانِ رَسُولِهِ مَا شَاءَ	صحیح البخاری	148
113.	رَأَى عُمَرُ عَلَى رَجُلٍ حُلَّةً مِنْ إِسْتَبْرَقٍ فَأَتَى بِهَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اشْتَرِ هَذِهِ فَالْبَسْهَا لِوَفْدِ النَّاسِ إِذَا قَدِمُوا عَلَيْكَ	صحیح البخاری	150
114.	مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ	صحیح البخاری	74

فہرست اصطلاحات

نمبر شمار	اصلاحات	صفحہ نمبر
1.	بردہ	54
2.	تبسم	58،59،63،62،61
3.	تالیف قلب	51
4.	ضحک	60،62
5.	طیب	46
6.	مدارات	76
7.	مداہنت	76
8.	مظاہر	56
9.	نخامہ	70
10.	تشمیت	80
11.	غبطہ	96
12.	حیا	108
13.	تقدیر مبرم	139
14.	تقدیر معلق	139

اعلام

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
1.	اصمعی	78
2.	ابن عبد البر	81
3.	ثابت بن ضحاک	102
4.	جمال مہدی حسنین	9
5.	حسان ابن ثابت انصاری	22
6.	خزرج	61
7.	رابرٹ۔ ایس۔ ورڈزورتھ	1
8.	رفاعہ قرظی	6
9.	مانسکیو	11
10.	محمد بن یعقوب بن محمد	5
11.	محمد جمال الدین بن صفدر	4
12.	محمد عبدہ	3
13.	وکیع ابن جراح	18
14.	ہوذہ بن علی	22

اماکن

نمبر شمار	اماکن	صفحہ نمبر
1.	مصر	3،4،19،27
2.	یمن	71
3.	حجاز	41
4.	مکہ	17،58،63
5.	مدینہ	21،64،96
6.	بصرہ	78،102

مصادر و مراجع

1) القرآن الکریم

2) الاصفهانی، ابوالقاسم الحسین بن محمد بن المعروف بالراغب، **المفردات فی غرائب القرآن**، صفوان عدنان،(دمشق: بیروت، دار القلم، الدار الشامیہ، الطبعۃ الاولی: 1412)

3) ابویوسف، یعقوب بن ابراھیم، **کتاب الخراج**، (بیروت، لبنان، دارالمعرفہ للنشر والتوزیع، ۱۳۹۹ھ)

4) بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**،(دار طوق النجاۃ، الطبعۃ الاولی، 1422)

5) ترمذی ابوعیسی محمد بن عیسیٰ، **سنن ترمذی**(بیروت، دارالسلام للنشر والتوزیع، 1414ھ)

6) الجوزی، عبدالرحمان بن علی، **زاد السير في علم التفسير**،(بیروت: دار الکتاب العربي، الطبعۃ الاولی-1422ھ)

7) حسنين، جمال مجدي، **دراسات اجتماعية**،(بيروت: دارالمعرفة، 1986ء)

8) طبارة، عبدالفتاح، **روح الدين من ضيق العلمانية الى سعة الأثمانية**،(بيروت، المركز الثقافي العربي2012م)

9) الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، **تاریخ الطبری** (تاریخ الرسل والملوک) بیروت: دار التراث، 1387)

10) عبداللہ بن محمد بن عبید، **تاریخ ابن ابی الدنیا**، بیروت، موسسۃ الکتب، 1413ھ،

11) عسقلانی، احمد بن علی بن محمد ابن حجر، **فتح الباری فی شرح البخاری**، (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1379ھ)

12) الفیروز آبادی، أبوطاھر مجد الدین **القاموس المحیط**،(بیروت لبنان، مکتب تحقيق التراث في مؤسسة الرسالة،، طبعة1426م)

13) اللبیہقی، احمد بن حسین بن علی بن موسی، **الزھد الکبیر**(دار الجنان - مؤسسة الکتب الثقافیة، طبعہ اولی1408)

14) محمد بن مکرم، ابن منظور، **لسان العرب**،(بیروت: دار صادر الطبعۃ الأولی، 1408م)

15) محمد عبدہ، **الاسلام والنصرانیۃ مع العلم المدینۃ**،(بیروت، دار الحداثہ الطبعۃ الأولی193م)

16) المرغینانی، ابی الحسن علی بن ابی بکر، **البدایہ فی شرح ہدایۃ**، (بیروت لبنان، دار الکتب العلمیہ)

اردو کتب

1) ابن خلدون، عبد الرحمن ابن خلدون، **مقدمہ ابن خلدون**، (، کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار، طبع دھم 2001م)
2) **اردو انسائیکلو پیڈیا**، (لاہور: فیروز اینڈ سنز، ۱۹۶۲ء)
3) پالن پوریؒ، مفتی سعید احمد **تحفۃ القاری**، (دیوبند، مکتبہ حجاز: ط اول: ۱۴۳۲)
4) جالی، ڈاکٹر جمیل، **قومی انگریزی اردو لغت**، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم-1992ء)
5) حمید اللہ، ڈاکٹر، **رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی**، (لاہور نگارشات پبلشرز، 2013)
6) خالد علوی، **اسلام کا معاشرتی نظام**، (لاہور: الفیل ناشران وتاجران کتب-2009م)
7) دہلوی، فرہنگ آصفیہ **مولوی سید احمد**، (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، طبع اول۔2002ء)
8) الدین، الحاج مولوی فیروز، **فیروز اللغات** (لاہور: اردو جامع، فیروز سنز، س ن)
9) سرہندی، وراث، **قاموس مترادفات** (لاہور: اردو سائنس بورڈ، 1986)
10) سلیم اللہ خانؒ، **کشف الباری** (کراچی: مکتبہ فاروقیہ، 1432ھ)
11) صفی الرحمن مبارکپوری، **الرحیق المختوم**، اردو ترجمہ، (لاہور مکتبہ سلفیہ، مئی 2000)
12) **مختصر اردو دائرہ معارف اسلامیہ**، علم (عمرانیات)، (دانش گاہ پنجاب، طبع اول، 1997)
13) وارث سرہندی، **علمی اردو لغت**، (لاہور: علمی کتب خانہ، کبیر سٹریٹ اردو بازار 1990م)

انگریزی کتب

1) The Bible, The Gideons international, London, (1971,timothy,ch-)
2) Shorter, preparedby:William little, *oxford English dictionary*, clarendon press,oxford, 1997
3) Robert, A Sociological Study, The Modern State,
4) Robert MacIver,*The elements of social science*, London, Methuen & co.ltd,
5) chales secondant, *The political theory of Montesquieu*, Montesquiee